تحفۃ الصیام

رمضان المبارک کے
احکام و مسائل اور
برکات و فضائل کا
دلنشین اور جامع بیان



سلسلہ نمبر

درسِ حدیث

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(البقرۃ)

تحفۃ الصیام

قرآن شریف، احادیثِ نبویہ، ارشاداتِ حضرت مسیح موعودؑ
خلفائے احمدیت و علمائے امت کی روشنی میں روزہ کے احکام و
مسائل اور برکات و فضائل کا دلکش مجموعہ

الناشر
نور الدین اکیڈمی ربوہ

مرتبہ
حافظ مظفر احمد
استاذ الحدیث جامعہ احمدیہ ربوہ

نام کتاب :- تحفۃ الصیام

تاریخ طبع :- جون ۱۹۸۳ء

تعداد اشاعت :- ایک ہزار

مصنف :- حافظ مظفر احمد

پرنٹر :- محمد محسن لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور

ناشر :- سید فہیم شاہ ۲۶/۱۴۵ دارالرحمت وسطی ربوہ

کتابت :- محمد ارشد خوشنویس ربوہ

باہتمام :- نورالدین اکیڈمی - ربوہ

قیمت :- آٹھ روپے صرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ابتدائیہ

رسید مژدہ کہ ایامِ نو بہار آمد

گلستانِ روحانیت میں پھر بہار آئی ہے۔ رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ رحمتوں اور برکتوں والا یہ مہینہ سب کو مبارک ہو۔

ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں و احسانات کا دامن بہت وسیع ہے۔ آپ نے روزہ کے احکام و مسائل اپنی مجالس میں کمال تفصیل سے سمجھائے اور اس کے برکات و فضائل بیان فرمائے جو ہم بعد میں آنیوالوں پر بھی ایک احسان عظیم ہے۔ پھر روزہ دار کا اتنا خیال رکھا کہ اس کے ساتھ پیار کا اظہار کرتے ہوئے اس کی پسندیدہ اور مفید چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

تُحْفَةُ الصَّائِمِ الدُّهْنُ وَالْمِجْمَرُ۔ (ترمذی)

کہ روزہ دار کا تحفہ چکنائی اور خوشبو ہے یعنی یہ چیزیں اس کے لئے خوشگوار اور پسندیدہ ہیں۔ ایسے بے غرض محسن کے لئے دل سے درود نکلتا ہے۔ اللہ کرے اس محسن آقا کا نام آنے پر درود ہمارا وردِ زبان بن جائے۔ آمین

"تحفۃ الصائم" والی حدیث پڑھ کر میں سوچتا ہوں کہ مجھ ایسے تنگ دامن کے لئے سب روزہ داروں تک عطر و خوشبو کا تحفہ پہنچانا مشکل ہے مگر یہ تو ممکن ہے کہ اپنے پیارے محسن آقا کا دیا ہوا تحفہ رمضان المبارک کے احکام و

مسائل اور برکات و فضائل کے ایسے گلدستہ کی صورت میں پیش کردں جو دائمی خوشبو بکھیرنے والا اور ہر رمضان کیلئے مستقل تحفہ بن جائے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ رُوحانی موسم بہار کی مبارک آمد پر ایسا ہی تحفہ زیب دیتا ہے مجھے اُمید ہے کہ اسی کے بدلہ میں مجھے دعاؤں کا لازوال تحفہ نصیب ہوگا۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین

درسِ حدیث کا یہ سلسلہ ماہ رمضان کی مناسبت سے ۲۹ مضامین پر مشتمل ہے۔ جن میں سے رؤیت ہلال، سفر میں روزہ اور غیر معمولی علاقوں میں روزہ کے مضامین میں خاص طور پر مجلس افتاء کی کمیٹیوں کی تحقیق بھی شامل کی گئی ہے۔

باقی مضامین میں بھی کوشش کی گئی ہے کہ موضوع سے متعلق جملہ احادیث جمع ہو جائیں نیز ہر مضمون میں حضرت مسیح موعودؑ، خلفائے احمدیت کے فتاوی اور علماء و فقہائے امت کے اقوال بھی جمع کر دیئے گئے ہیں اور اس طرح یہ رنگا رنگ پھولوں کا گلدستہ احباب کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

رمضان کے بارہ میں درس حدیث پر مشتمل یہ نوٹ عاجز کو ۱۹۸۱ء میں بڑی محنت سے اس وقت تیار کرنیکا موقع ملا جب ملتان میں جناب برادرم سیف الرحمن خان بلوچ قیصرانی کے ہاں مقیم تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر دے۔

پھر گزشتہ سال رمضان المبارک میں ان میں سے بعض مضامین روزنامہ الفضل میں شائع ہوتے رہے جو احباب نے پسند کئے اسلئے اب افادۂ احباب کے لئے کتابی صورت میں یہ شائع کئے جا رہے ہیں تا رمضان میں خاص طور پر احباب اس کتاب کے مطالعہ کو استفادہ کر سکیں۔

یہ کتاب سید فہیم احمد شاہ صاحب نور الدینؓ اکیڈمی کی طرف سے شائع کر رہے ہیں نیز بعض احباب نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں بطور قرض حسنہ اعانت فرمائی اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے۔

حافظ مظفر احمد

۱

روزہ کی فرضیّت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِصِيَامِ عَاشُوْرَاءَ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ۔

(بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ یعنی دسویں محرم کے روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ پھر جب رمضان فرض ہوا تو جو چاہتا یہ روزہ رکھتا۔ اور جو چاہتا چھوڑ دیتا۔

تشریح:۔ روزوں کی فرضیت کے بیان میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ روزہ سے کیا مُراد ہے۔ اور اس عبادت کا کیا پس منظر ہے؟ سو جاننا چاہیئے کہ روزہ کے لئے عربی میں "صوم" کا لفظ ہے جس کے معنے امساک یعنی رُکنے کے ہیں۔ اور اسلامی شریعت کی اصطلاح میں روزہ سے مراد طلوع فجر یعنی پَو پھٹنے سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور میاں بیوی کے مخصوص تعلقات سے اپنے آپ کو روکنا

ہے۔ بشرطیکہ یہ عبادت کی نیت سے کیا جائے۔ اسی طرح لغو باتوں اور کاموں سے بھی رُکا جائے۔

روزہ کا پس منظر

دُنیا کے تمام بڑے مذاہب میں لفظ روزہ مختلف شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں روزہ کے تحت لکھا ہے کہ دُنیا کا کوئی باقاعدہ مذہب ایسا نہیں جس میں روزہ کا حکم نہ ملتا ہو۔ بلکہ ہر مذہب میں روزوں کا حکم موجود ہے۔ تورات میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طُور پر گئے تو انہوں نے چالیس دن رات کا روزہ رکھا۔ اور حضرت مسیح کے متعلق انجیل میں ذکر ہے کہ آپ نے چالیس دن رات روزہ رکھا۔ بلکہ حضرت مسیح نے تو اپنے حواریوں کو روزہ کے آداب بھی بتائے کہ ریاکاری سے روزہ نہ رکھا کرو بلکہ محض خُدا کی خاطر پوشیدگی سے روزہ رکھیں۔ انسائیکلو پیڈیا میں ہندو اور جین مت کے روزوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اور زرتشتی مذہب کے متعلق بھی لکھا ہے کہ کنفیوشس نے اپنے پیروؤں کو روزے رکھنے کی تلقین کی تھی۔ بے شک ان روزوں کی شکلیں مختلف تھیں۔ کہیں وصال کے روزے تھے کہ متواتر آٹھ پہر کا روزہ رکھنا۔ کہیں تین تین چار چار دن کے روزے تھے۔ کہیں ایسے روزے پائے جاتے ہیں جن میں ہلکی غذا کھانے کی اجازت ہے جیسے ہندوؤں یا عیسائیوں کے روزے ہیں۔ کہیں صرف گوشت نہ کھانے کا روزہ ہے۔

الغرض روزہ کی مختلف شکلیں مختلف قوموں اور مذہبوں میں نظر آتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں میں بھی روزہ رکھنے کا رواج تھا۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ عاشورہ یعنی دسویں محرم کا روزہ جاہلیت میں قریش رکھا کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہود بھی ۱۰ محرم کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ دسویں محرم کو کیوں روزہ رکھتے ہیں تو بتایا گیا کہ ۱۰ محرم کو موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون سے نجات پائی تھی۔ اس لئے اس کے شکرانہ میں یہودی روزہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم مسلمان ان یہودیوں کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہیں اور اس کے زیادہ حقدار ہیں اس لئے اے مسلمانو! تم بھی عاشوراء کا روزہ رکھا کرو۔ بلکہ مدینہ تشریف لانے کے بعد جب محرم آیا تو دسویں محرم کو حضور نے دن کے وقت مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں اعلان کروایا کہ جنہوں نے آج صبح طلوع فجر کے بعد کچھ کھایا پیا نہیں وہ شام تک کچھ نہ کھائے اور عاشوراء کا روزہ مکمل کرے۔ اور جس نے کچھ کھا پی لیا ہے وہ بعد میں یہ روزہ رکھ لے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رمضان کے فرض ہونے تک عاشوراء کا روزہ مسلمانوں میں باقاعدگی سے رکھا گیا۔ رمضان فرض ہوا تو پہلے جیسی توجہ اس کی طرف نہ رہی۔

(بخاری و مسلم کتاب الصوم)

بعض روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ رمضان کی فرضیت سے قبل ایام بیض کے روزے (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵) ہر مہینہ میں مسلمان رکھا کرتے تھے۔

مسلمانوں کو روزہ کی فرضیت کے احکام

مدینہ میں سنہ ۲ ہجری میں ہر عاقل بالغ مسلمان مرد اور عورت پر روزے فرض ہوئے۔ اس موقع پر جو آیات نازل ہوئیں ان میں روزہ کی فرضیت اس کی حکمت و فلسفہ برکات و فضائل اور آداب و مسائل بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ وہ آیات یہ ہیں:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ

فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ (البقرہ آیت ۱۸۳ تا ۱۸۸)

ترجمہ:- اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر (بھی) روزوں کا رکھنا (اسی طرح)

فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تاکہ تم (روحانی اور اخلاقی کمزوریوں سے) بچو۔ (سو تم روزے رکھو) چند گنتی کے دن۔ اور تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو (اسے) اور دنوں میں تعداد (پوری کرنی ہوگی) اور ان لوگوں پر جو اس کی (یعنی روزہ کی) طاقت نہ رکھتے ہوں۔ ایک مسکین کا کھانا دینا (بطورِ فدیہ رمضان کے) واجب ہے۔ اور جو شخص پوری فرمانبرداری سے کوئی نیک کام کرے گا تو یہ اس کے لئے بہتر ہوگا اور اگر تم علم رکھتے ہو تو (سمجھ سکتے ہو کہ) تمہارا روزے رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ رمضان کا مہینہ وہ (مہینہ) ہے جس کی بارہ قرآن (کریم) نازل کیا گیا ہے (وہ قرآن) جو تمام انسانوں کیلئے ہدایت (بنا کر بھیجا گیا) ہے۔ اور جو کھلے دلائل اپنے اندر رکھتا ہے (ایسے دلائل) جو ہدایت پیدا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی (قرآن میں) الٰہی نشانات بھی ہیں۔ اس لئے تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو (اس حال میں) دیکھے (کہ نہ مریض ہو نہ مسافر) اسے چاہیئے کہ وہ اس کے روزے رکھے جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس پر اور دنوں میں تعداد (پوری کرنی واجب) ہوگی۔ اللہ (تعالیٰ) تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔ (یہ حکم اس نے

اس لئے دیا ہے کہ تم تنگی میں نہ پڑو) اور تاکہ تم تعداد کو پورا کر لو اور اس (بات) پر اللہ کی بڑائی کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور تاکہ تم (اس کے) شکر گزار بنو۔ اور (اے رسول) جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو (تو جواب دے کہ) میں (ان کے) پاس (ہی) ہوں۔ سو چاہیئے کہ وہ (یعنی دعا کرنے والے بھی) میرے حکم کو قبول کریں۔ اور مجھ پر ایمان لائیں تا وہ ہدایت پائیں۔ تمہیں روزہ رکھنے کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانے کی اجازت ہے وہ تمہارے لئے ایک (قسم کا) لباس ہیں اور تم ان کے لئے (ایک قسم کا) لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کی حق تلفی کرتے تھے اس لئے اس نے تم پر فضل سے توجہ کی اور تمہاری (اس حالت کی) اصلاح کر دی۔ سو اب تم (بلا تأمل) ان کے پاس جاؤ۔ اور جو کچھ اللہ (تعالیٰ) نے تمہارے لئے مقدر کیا ہے اس کی جستجو کرو۔ اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہیں صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ اس کے بعد (صبح سے) رات تک روزوں کی تکمیل کرو۔ اور جب تم مساجد میں معتکف ہو تو ان کے (یعنی عورتوں کے) پاس نہ جاؤ۔ یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں۔ اس لئے تم ان کے قریب (بھی) مت

عبادُ ۔ اللہ (تعالیٰ) اسی طرح لوگوں کے لئے اپنے نشانات بیان کرتا ہے تاکہ وہ (ہلاکتوں سے) بچیں ؎

روزہ کے احکام و مسائل پر مشتمل ان آیات کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "روزہ کی عبادت" کامل شکل میں پہلی دفعہ مسلمانوں میں ہی رائج ہوئی ہے ۔ جبکہ جس کے ذریعہ مسلمانوں پر کامل خیر کے دروازے کھولے گئے ہیں ۔

بیشک پہلی قوموں ، یہودیوں ، عیسائیوں اور ہندوؤں کے علاوہ قدیم مصریوں اور پارسی مذہب میں بھی روزہ کا ذکر ملتا ہے ۔ لیکن ان قواعد و ضوابط اور ایسے تفصیلی اور معین احکام کے ساتھ نہیں جیسا کہ اسلام میں روزہ کے بارہ میں دیئے گئے ہیں ۔ بلکہ ان میں سے بعض مذاہب میں روزہ کے دنوں کی کوئی تعیین یا تفصیل نہیں اور لوگوں کو اختیار ہوتا تھا کہ وہ جو دن چاہیں روزہ کے لئے مقرر کر لیں ۔ بعض مذاہب کے پیروؤں کو اس کا اختیار تھا کہ کھانے پینے کو ترک کر دیں یا معمولی غذا پر اکتفا کریں ۔ بعض مذاہب میں صرف بعض اشیاء کے چھوڑنے اور بعض کو خود اختیار کرنے کی اجازت تھی ۔ اسی اختیار کی وجہ سے پرانی قومیں روزہ کے اخلاقی اور روحانی فوائد سے محروم رہیں اور روزہ کی حقیقت ان کے ہاتھ سے نکل گئی ۔ جبکہ اسلام میں روزہ کی کامل شکل جملہ اخلاقی اور روحانی فوائد کو شامل ہے ؎

۲

رؤیتِ ہلال

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَاَفْطِرُوْا فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاقْدُرُوْا لَہٗ ۔

(بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ :۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب تم (رمضان کا) چاند دیکھ لو تو روزے رکھنے شروع کیا کرو ۔ اور پھر جب نیا چاند (شوال کا) دیکھو تو (فرضی) روزے رکھنے چھوڑا کرو ۔ اور اگر (بادل وغیرہ کے باعث) تمہیں چاند نظر نہ آئے تو اس کا اندازہ کر لیا کرو (یعنی تیس دن پورے کیا کرو) ۔

تشریح :۔ اسلامی عبادات اور سن تقویم کے نظام میں چاند کو بنیاد بنایا گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

"یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ ط قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط" (البقرہ: ۱۹۰)

یعنی لوگ تجھ سے چاندوں کے بارہ میں سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ یہ لوگوں کے عام کاموں اور حج کا وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں۔

چنانچہ حج، روزے، عید الاضحیہ اور عید الفطر کے لئے رؤیت ہلال ضروری ہے۔ بعض دوسرے تہوار میلاد النبی۔ شب برات۔ عاشوراء وغیرہ بھی رؤیت ہلال کے مطابق منائے جاتے ہیں۔

رؤیت ہلال کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ نے احکام دین سہل و آسان کرنے کی غرض سے عوام الناس کو صاف اور سیدھا راستہ بتلایا ہے اور ناحق کی دقتوں اور پیچیدہ باتوں میں نہیں ڈالا مثلاً روزہ رکھنے کے لئے یہ حکم نہیں دیا کہ جب تک قواعد ظنّیہ کی رو سے یہ معلوم نہ کرو کہ چاند انتیس کا ہوگا یا تیس کا۔ تب تک ہرگز رؤیت کا اعتبار نہ کرو اور آنکھیں بند رکھو کیونکہ ظاہر ہے کہ خواہ نخواہ اعمالِ دقیقہ نجوم کو عوام الناس کے گلے کا ہار بنانا یہ ناحق کا حرج اور تکلیف مالا یطاق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے حسابوں کے لگانے میں بہت سی غلطیاں

واقع ہوتی رہتی ہیں۔ سو یہ بڑی سیدھی بات اور عوام کے مناسب حال ہے کہ وہ لوگ محتاج منجم اور ہیئت دان نہ رہیں اور چاند کے معلوم کرنے میں کہ کس تاریخ کو نکلتا ہے۔ اپنی رؤیت پر مدار رکھیں صرف علمی طور پر اتنا سمجھ رکھیں کہ تیس کے عدد سے تجاوز نہ کریں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حقیقت میں عند العقل رؤیت کو قیاسات ریاضیہ پر فوقیت ہے۔ آخر حکمائے یورپ نے بھی جب رؤیت کو زیادہ معتبر سمجھا تو اس نیک خیال کی وجہ سے بتائید قوت باصرہ طرح طرح کے آلات دُوربینی و خوردبینی ایجاد کئے اور بذریعہ رؤیت تھوڑے ہی دنوں میں اجرام علوی و سفلی کے متعلق وہ صداقتیں معلوم کر لیں کہ جو ہندوؤں بیچاروں کو اپنی قیاسی ڈھکوسلوں سے ہزاروں برسوں میں بھی معلوم نہیں ہوئی تھیں۔ اب آپ نے دیکھا کہ رؤیت میں کیا کیا برکتیں ہیں۔ انہیں برکتوں کی بنیاد ڈالنے کے لئے خدا تعالیٰ نے رؤیت کی ترغیب دی۔"

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۱۴۵-۱۴۴)

رمضان برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ ہے۔ اس کا چاند خاص اہتمام سے دیکھنا چاہیئے۔ بلکہ عید کے چاند سے بھی زیادہ شوق انتظار سے اس کی تلاش کرنی چاہیئے۔ اور جب چاند نظر آئے تو یہ مسنون دُعا کی جائے۔ جو ہر نئے چاند کو دیکھ کر ہمارے پیارے رسول ﷺ کیا کرتے تھے۔

"اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ
وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ"

یعنی۔ اے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن اور ایمان کے ساتھ اور سلامتی اور اسلام کی حالت میں طلوع کر۔ اے چاند میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

جب چاند نظر آجائے تو رمضان کے روزے رکھنے شروع کرنے چاہئیں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ

"رمضان کے چاند کے انتظار میں شعبان کے دن گنا کرو۔"

(ترمذی)

رمضان سے ایک آدھ روز پہلے اس وہم یا شک سے روزہ رکھنا کہ کہیں چاند نکل نہ آیا ہو مناسب نہیں ہے۔ بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ رمضان سے پہلے ایک یا دو دن روزہ رکھا جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص ہر ماہ مہینہ کے آخر میں عادتاً روزے رکھتا ہے تو اس کے لئے روزہ رکھنے میں حرج نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ رمضان کا چاند دیکھ کر اور اس کا یقین کر کے سب مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھنے شروع کرو۔ اور سب کے ساتھ ہی چاند دیکھ کر روزے چھوڑو۔ اگر رمضان یا عید کا چاند مطلع ابر آلود ہونے کے باعث نظر نہ آئے تو اندازہ کرنے کا ارشاد فرمایا جس کی وضاحت دوسری حدیث میں اس طرح ہے کہ اگر چاند نظر نہ آئے تو فَعُدُّوْا ثَلٰثِیْنَ یعنی

تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔ پھر روزے رکھنے چھوڑو۔

یہی حکم رمضان کے روزے شروع کرنے کے بارہ میں ہے۔ چنانچہ ایک تابعی حضرت ابوالبختریؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرہ کے لئے اپنے علاقہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب نخلہ بستی کے قریب ذات عرق مقام پر پہنچے تو ہم نے رمضان کا چاند دیکھا۔ ہم میں سے بعض نے کہا کہ یہ تین دنوں کا ہے اور کسی نے کہا دو دن کا ہے۔ ہم نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف آدمی بھیج کر مسئلہ پوچھا کہ رمضان کے چاند کے بارہ میں ہمارا آپس میں اختلاف ہو گیا ہے۔ چاند دیکھ کر بعض کہتے ہیں کہ رمضان دو دن سے شروع ہے اور بعض کہتے ہیں تین دن کا چاند ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم نے چاند کب دیکھا؟ آپ کو بتایا گیا کہ فلاں رات مثلاً سوموار کی رات چاند دیکھا۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شروع ہونے کی مدت کو رؤیت ہلال تک بڑھا دیا ہے۔ پس وہ اسی رات کا چاند شمار ہوگا جس رات تم نے دیکھا یعنی پہلی رات۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک مطلع صاف ہونے کے باوجود رمضان کا چاند نظر نہ آئے تو شعبان کا مہینہ شمار ہوگا۔ اور بادل یا مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں شعبان کے تیس دن پورے کر کے رمضان شروع ہوگا۔

رؤیت ہلال کے بارہ میں دو مسلمانوں کی گواہی معتبر ہوگی۔ لیکن اگر امام مناسب سمجھے تو ایک ثقہ مسلمان کی گواہی بھی رمضان کے چاند کیلئے

قبول کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ تب آپؐ نے فرمایا۔ اے بلال! اعلان کر دو۔ کل سے سب لوگ رمضان کا روزہ رکھیں۔ (ترمذی)

لیکن عید کے چاند کے بارہ میں علماء و فقہا نے احتیاط ضروری سمجھی ہے۔ اور تمام فقہا کے نزدیک عید کے چاند کی گواہی کے لئے دو مسلمانوں کی گواہی ضروری ہے۔

رؤیت دو طرح کی ہے۔ رؤیت علمی اور رؤیت نظری۔ اصولاً چاند وہی معتبر ہے جو بغیر کسی تکلف یا سائنسی آلہ کی مدد سے دیکھا جائے۔ اسی طرح جہاز وغیرہ میں بیٹھ کر چاند دیکھنے کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا اگر کسی شخص کو رمضان کے چاند کا علم نہ ہو سکے کہ کب رمضان شروع ہوا اور کب ختم ہوا تو وہ ایک ماہ کے روزے جس وقت رکھ لے مقبول ہیں۔

(الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۵۲ء)

اگر شوال کا چاند بعد دوپہر سورج ڈوبنے سے پہلے ۳۰ رمضان کو نظر آئے تو اگلے دن عید الفطر ہوگی۔ لیکن اگر قبل دوپہر ۱۲ بجے سے پہلے چاند نظر آ جائے تو روزہ کھول دیں۔ اور عید کا فیصلہ حالات کے مطابق ہوگا۔ رؤیت ہلال کے بارہ میں ایک اہم مسئلہ اختلاف مطالع کا ہے۔

جس کی بنیاد مختلف مقامات کے جغرافیائی محل وقوع اور چاند اور زمین کی محوری گردش پر ہے۔ اس جغرافیائی فرق کی وجہ سے بعض علاقوں مثلاً عرب میں پاکستان سے ایک دو روز پہلے چاند نظر آ جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ رمضان و عید کے لئے کیا کسی ایک جگہ کے چاند کا اعتبار کیا جائے گا یا ہر علاقہ و ملک اور مطلع کا اپنا لحاظ ہوگا۔

مشہور حنفی مسلک میں یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اور کسی ایک جگہ چاند کے ہو جانے سے سب جگہ رمضان یا عید تسلیم کی جا سکتی ہے۔ لیکن علامہ ابن رشد کہتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں بلکہ جمہور علماء کا اجماع اس پر ہے کہ رؤیت ہلال رمضان کے لئے اختلاف مطالع کا اعتبار ہوگا۔ اور جس ملک میں چاند پہلے نظر آتا ہے وہ پہلے رمضان کے روزے شروع کر کے پہلے عید کریں گے اور جس ملک میں بعد میں نظر آتا ہے وہ بعد میں روزے شروع کر کے اپنی رؤیت کے مطابق عید کریں گے۔

امام ترمذی نے یہ مسئلہ بیان کرنے کے لئے ایک الگ عنوان قائم کیا ہے کہ لِكُلِّ اَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ یعنی ہر اہل بلد کیلئے ان کی رؤیت ہلال کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اس کے ماتحت امام ترمذی ایک تابعی حضرت کُریبؓ کی روایت لائے ہیں کہ امّ الفضلؓ بنت حارث (رسول اللہؐ کی چچی) نے حضرت کریبؓ کو حضرت معاویہؓ کے دور حکومت

میں ان کے پاس ملک شام (کسی کام کی غرض سے) بھیجا۔ حضرت کریبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں شام آکر حضرت امّ الفضلؓ کے کام سے فارغ ہُوا اور مجھے ملک شام میں ہی رمضان آگیا۔ ہم نے شام میں جمعہ کی رات رمضان کا چاند دیکھا۔ پھر میں (رمضان کے) مہینہ کے آخر میں مدینہ آیا تو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ (جو اُمّ الفضل کے بیٹے ہیں) نے مجھ سے پُوچھا کہ تم نے کب رمضان کا چاند دیکھا تھا میں نے کہا جمعہ کی رات کو۔ حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا کیا تم نے خود جمعہ کی رات کو چاند دیکھا؟ میں نے کہا لوگوں نے دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہم نے تو رمضان کا چاند ہفتہ کی رات کو دیکھا تھا۔ پس ہم تو اس وقت تک روزے رکھتے رہیں گے جب تک عید کا چاند دیکھیں یا تیس دن پورے ہو جائیں۔

کریبؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ کے لئے حضرت معاویہؓ کا چاند دیکھنا اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا "نہیں"۔ اور فرمایا۔ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا تھا۔ (ترمذی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک جس علاقہ میں چاند نظر آیا ہے انہی لوگوں پر اس کے احکام نافذ ہوں گے۔ جہاں مطلع صاف تھا لیکن اس کے باوجود چاند نظر نہیں آیا وہاں نہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے جو فرمایا کہ حضورؐ نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔

اس سے غالبًا ان کا اشارہ ان احادیث کی طرف ہے جن میں ذکر ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ کر رمضان کے روزے رکھنے شروع کرو اور پھر نیا چاند دیکھ کر ہی عید کرو۔ اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ اور حالات کے لحاظ سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ مذہب ہی درست تھا جبکہ دُور افتادہ علاقوں کے باہم تعلقات و روابط کم تھے اور ذرائع اطلاعات نہ ہونے کے برابر تھے۔ خصوصًا فوری ذریعہ اطلاع کوئی نہ تھا۔ لیکن اگر رابطہ کا کوئی پختہ ذریعہ ہو تو دوسری جگہ کے چاند کا بھی اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰنؓ بن ابی لیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت براءؓ بن عازب اور حضرت عمرؓ بن الخطاب کے ساتھ بقیع میں پہلی کا چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک سوار آیا حضرت عمرؓ اس کو ملے اور پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے کہا عرب سے۔ آپؓ نے پوچھا تم نے پہلی کا چاند دیکھا ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا "اللہ اکبر" مسلمانوں کے لئے ایک آدمی کی گواہی کافی ہے۔
(مسند احمد بن حنبل)

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی ایک اہل بلد یعنی شہر والوں کا چاند دیکھنا شہر کے باقی لوگوں کے لئے رؤیت ہلال کے ثبوت کا موجب ہو سکتا ہے۔ تاہم اس میں اختلاف ہے کہ آیا ایک شہر کی رؤیت ہلال اس دوسرے شہر کے لئے لازم ہو گی جہاں چاند نظر نہیں آیا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قریب کے شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے کافی ہے۔ لیکن دُور کے شہر کی رؤیت لازم نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا لحاظ فاصلہ مطلقاً ایک شہر کی رؤیت دوسرے کیلئے کافی ہے۔ اسی لحاظ سے ایک سلطنت کو ایک "بلد" کے حکم میں رکھا گیا ہے۔ جیسے پاکستان میں پشاور یا راولپنڈی کے چاند کا لحاظ سارے ملک کے لئے کیا جاتا ہے۔

موجودہ سائنسی دَور میں علم الفلکیات کے ماہرین نے اس امر پر بھی تحقیقات کی ہیں کہ میل اور وقت کے لحاظ سے زمین کے لئے کتنے حصّہ کا مطلع چاند کے اعتبار سے متحد ہو سکتا ہے۔

چنانچہ علم الفلکیات کی رُو سے برصغیر پاک و بھارت بلکہ بعض صورتوں میں سارے ایشیا کا رقبہ متحد المطلع ہو سکتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر جگہ چاند نظر بھی آئے۔ فضائی کیفیت میں فرق ہونے کی وجہ سے دو قریب کے مقامات میں بھی رؤیت ہلال میں فرق پڑ جاتا ہے۔

"نیا چاند" ہونے کے بارہ میں اس وقت دو نظام رائج ہیں۔

(۱) عرب ممالک میں تو کیلنڈر کی بنیاد اس امر پہ بتلائی جاتی ہے۔ کہ "نیا چاند" کب ہوا۔ حسابی رُو سے جس وقت نیا چاند ہو جائے وہ اسی وقت سے قمری مہینہ کا آغاز کرتے ہیں۔ خواہ چاند نظر آئے یا نہ۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان اور عرب ممالک میں رمضان اور عیدین

کی تاریخوں میں بعض دفعہ تین دن کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور عرب ممالک میں رمضان کا آغاز اور عیدین پاکستان کے مقابلہ میں پہلے ہوتا ہے۔ اس دوسرے طریق کی کچھ تفصیل بیان کرنی ضروری ہے۔

(۲) "نئے چاند" کے لئے دوسرا طریق ہمارا مروّجہ اسلامی دستور ہے جس میں قمری مہینے کی ابتداء سورج چھپنے کے بعد باریک ہلال نظر آنے سے کی جاتی ہے۔ اس دوسرے طریق کی کچھ مزید تفصیل بیان کرنی ضروری ہے۔

چاند زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔ ایک چکر کی اوسط لمبائی ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے اور ۴۴ منٹ ہے۔ اس گردش کے باعث چاند کی شکل روز بروز بدلتی رہتی ہے۔ اشکال قمر کے دَور میں ۲۹ دن کے علاوہ ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ کی جو زائد مدت ہے اس کی وجہ سے قمری مہینہ کبھی ۳۰ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۲۹ دن کا۔

فلکیات کے ماہرین کے لئے یہ معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں کہ کسی خاص وقت پہ چاند آسمان میں کس جگہ پر موجود ہو گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ چاند ہمیں دکھائی بھی دیتا ہو گا یا نہیں۔

اپنی گردش محوری کے دَوران جس وقت سورج چاند اور زمین ایک سیدھ میں آجائیں اُسے انگریزی اصطلاح میں CONJUCTION یعنی اجتماع کہتے ہیں۔ اس وقت چاند کا وہ حصّہ جو زمین کی طرف ہے بالکل تاریک ہوتا ہے اور جو حصّہ سورج کی طرف ہو وہ روشن ہوتا ہے۔ اس وقت چاند کی عمر صفر سمجھی جاتی ہے۔ یہ "اجتماع"

دن رات کے کسی بھی حصے میں ہو سکتا ہے۔ یعنی دن کے مثلاً دس بجے ہو سکتا ہے۔ شام کے وقت غروب آفتاب سے قبل یا بعد ہو سکتا ہے یا رات کے کسی حصہ میں ہو سکتا ہے۔ اس "اجتماع" کے تھوڑی دیر بعد تینوں کرے ایک سیدھ میں نہیں رہتے اور نئے چاند کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہ "نیا چاند" چوبیس گھنٹے سے قبل نظر نہیں آسکتا عموماً ۲۸ گھنٹے بعد نظر آتا ہے۔ بشرطیکہ مطلع صاف ہو۔ مطلع کی صفائی سے یہ مراد نہیں کہ بادل نہ ہوں۔ بلکہ گرد و غبار اور آبی بخارات کی مقدار پر مطلع کی صفائی منحصر ہے۔ جس جگہ نیا چاند کم از کم ۲۸ گھنٹے کا ہو جائیگا وہاں وہ نظر آسکتا ہے۔ جو مقامات اس جگہ سے مشرق میں ہوں گے وہاں چاند نظر نہیں آئے گا اور جو مقامات اس سے مغرب میں ہوں گے وہاں مطلع صاف ہونے کی صورت میں نظر آنے کا امکان ہے۔

گویا چاند کی رؤیت کسی مقام پر اس امر پر موقوف ہے کہ اس جگہ غروب آفتاب کے وقت نئے چاند کی عمر کیا ہو چکی ہے اگر وہ ۲۸ گھنٹے سے کم ہے تو چاند نظر نہیں آئے گا اور اگر زیادہ ہے تو نظر آجائے گا بشرطیکہ مطلع صاف ہو۔

مثلاً ربوہ میں CONJUNCTION صبح دس بجے ہوا اور اسی دن غروب آفتاب کا وقت ۶ بجے شام ہے تو غروب آفتاب کے وقت نئے چاند کی عمر ۸ گھنٹے ہوگی اس لئے اسی دن نظر نہیں آئے گا۔ اگلے

روز غروب آفتاب کے بعد اس کی عمر ۸ + ۲۴ = ۳۲ گھنٹے ہوگی اس لئے نظر آجائے گا۔

اس سوال کا جواب کہ مکہ میں چاند نظر آجائے تو مکہ کے مشرق و مغرب میں کتنی دور تک چاند دیکھے جا سکنے کا احتمال ہے۔ مختلف مقامات کے وقت کے فرق کے لحاظ سے دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مکہ اور لاہور کے وقت میں سوا دو گھنٹے کا فرق ہے۔ بالفرض اگر نئے چاند کا ظہور لاہور کے وقت کے مطابق ۴ بجے شام ہو اور غروب آفتاب چھ بجے شام ہو تو نہ لاہور میں اسی دن چاند نظر آئے گا نہ مکہ میں۔ چاند کے دیکھنے کے لئے بہترین حالات میں بھی ۲۴ گھنٹے چاند کی عمر ہونی چاہیئے۔ البتہ اگلے روز لاہور میں نئے چاند کے ظہور کو ۲ + ۲۴ = ۲۶ گھنٹے ہو چکے ہوں گے احتمال ہے کہ وہ نظر آجائے لیکن مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں نظر نہ آنے کا بھی امکان ہے۔ لیکن مکہ میں غروب آفتاب سوا دو گھنٹے بعد ہو گا۔ اور وہاں ۲۸ گھنٹے ہو چکے ہوں گے اس لئے وہاں چاند ضرور نظر آجائے گا۔ گویا اگر مطلع یہاں صاف ہو تو یہاں اور مکہ میں ایک ہی دن چاند نظر آسکتا ہے ورنہ ایک دن کا فرق پڑ جائے گا۔ اس سے زیادہ مثلاً دو دن کا فرق مشکل ہے۔

سارا برصغیر پاک و بھارت قریبًا ہم مطلع ہے۔ دو تین گھنٹے کا فرق بھی کچھ زیادہ نہیں۔ اس لحاظ سے بھارت پاکستان۔ افغانستان۔ ایران اور عرب قریبًا ہم مطلع ہو سکتے ہیں۔

ان جدید سائنسی تحقیقات کے پیش نظر یہ ممکن ہے کہ اگر اسلامی سلطنت روئے زمین پر قائم ہو جائے اور اطلاعات کا نظام خصوصاً رؤیت ہلال کے بارہ میں اتنا وسیع کیا جائے تو ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے کہ کسی ایک جگہ مثلاً مکہ معظمہ کو مرکز مان کر چاند کے طلوع کا فیصلہ رؤیت حسابی لحاظ سے کیا جائے اور ریڈیو سے عالم اسلام میں اسکی اطلاع کی جائے۔ اور اس کے ساتھ سب مسلمان امکانی حد تک قومی وحدت کے ساتھ اکٹھے رمضان شروع کریں اور اکٹھے ہی عید منائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد وسیع دائرہ اور ماحول پر پورا ہو جائے گا کہ

اَلْفِطْرُ یَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَالْاَضْحٰی یَوْمَ تُضَحُّوْنَ۔

(ترمذی)

یعنی عید الفطر وہ دن ہے جب تم سب عید الفطر مناؤ اور عید الاضحیٰ وہ ہے جس روز تم سب قربانیاں دیتے ہو۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عالم اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کرے۔ آمین ۔

نوٹ :۔ اس مضمون میں علم الفلکیات اور سائنسی تحقیق سے متعلق حصہ مضمون کی تیاری میں جناب محمد انور صبحی پروفیسر علم فلکیات پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ایک مضمون مطبوعہ روزنامہ مشرق ۲۲ جنوری ۱۹۶۶ء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(۳)

رمضان المبارک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ایک جامع تقریر

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ یَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُبَارَکٌ شَھْرٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ شَھْرٍ جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَقِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْہِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ وَھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُہُ الْجَنَّۃُ وَشَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ وَشَھْرٌ یُزَادُ فِیْہِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِیْہِ

صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مُذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شُرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شُرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ ۔

(بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ :۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخری تاریخ کو ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :۔

اے لوگو! تم پہ ایک بڑی عظمت (اور شان) والا مہینہ سایہ کرنے والا ہے۔ ہاں! ایک برکتوں والا مہینہ جس میں ایک ایسی رات ہے جو (ثواب وفضیلت کے لحاظ سے) ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے اس کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی رات کی عبادت کو نفل ٹھہرایا ہے۔ اس مہینہ میں جو شخص کسی نفلی عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اسے اس نفل کا ثواب عام دنوں میں فرض ادا کرنے کے برابر ملے گا۔ اور جس نے اس مہینے میں ایک فرض ادا کیا اسے عام دنوں کے ستر فرض کے برابر ثواب ملے گا۔ اور یہ مہینہ صبر کا (مہینہ) ہے۔ اور صبر کا ثواب جنّت ہے۔ اور یہ ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے اور ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں روزہ دار کی افطاری کرواتا ہے تو یہ عمل اس کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور اسے آگ سے آزاد کیا جاتا ہے۔ اور اسے روزہ دار کے اجر کے برابر ثواب ملتا ہے۔ بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کچھ کمی ہو۔ (صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں) ہم نے حضورؐ سے سوال کیا۔ ہم میں سے ہر ایک کی اتنی توفیق نہیں کہ روزہ دار کی افطاری کا انتظام کرسکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ افطاری کا یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا کرتا ہے جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ میں پانی ملا کر دودھ کی کچی لسّی یا کھجور سے یا پانی کے ایک گھونٹ سے ہی روزہ کھلوا دیتا ہے۔ اور جو روزہ دار کو سیر کر کے پیٹ بھر کے کھلائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے ایسا شربت پلائے گا کہ اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ یہاں تک کہ وہ جنّت میں داخل ہوگا۔

اور یہ ایسا مہینہ ہے جس کی ابتداء نزولِ رحمت ہے اور جس کا وسط مغفرت کا وقت ہے۔ اور جس کا آخر کامل اجر پانے یعنی آگ سے آزادی کا زمانہ ہے۔

اور جو شخص اس مہینے میں اپنے مزدور یا خادم سے اس کے کام کا بوجھ ہلکا کرتا ہے اور کم خدمت لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی بخش دے گا اور اسے آگ سے آزاد کر دے گا۔

(۴)

ماہِ رمضان کی عظمت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔

(بخاری و مسلم کتاب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے۔ آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیئے جاتے ہیں اور ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

تشریح:۔ حدیث میں رمضان المبارک کی آمد آمد پر آسمان اور جنت کے دروازوں کے کھلنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد ظاہری دروازے نہیں۔ اگر ظاہری

طور پر جنّت کے دروازے کھلنے مراد لئے جائیں تو لازم آئے گا کہ رمضان میں مرنے والا ہر مومن جو رمضان کی عبادات بجا نہیں لاتا اور بلکہ ہر کافر بھی جنّت میں داخل ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں یہ برکاتِ رمضان تو ان لوگوں کے لئے بطورِ نعمت و احسان کے بیان ہوئی ہیں۔ جو اس مہینہ کی عبادات بجا لاتے ہیں۔

پس یہاں آسمان اور جنّت کے دروازوں سے مراد جیسا کہ دوسری روایت میں مذکور ہے رحمت کے دروازے ہیں اور عبادات رمضان بجا لانے والے مومنوں کی اطاعت کے نتیجہ میں جو برکات اور رحمتیں مسلسل آسمان سے نازل ہوتی ہیں ان کو آسمان رحمت کے دروازوں کے وا ہو جانے سے تعبیر کیا ہے۔ اور جنّت کے دروازوں کے کھلنے سے مُراد یہ ہے کہ مومنوں کو ایسے اعمالِ صالحہ کرنے کی توفیق ان ایّام میں ملتی ہے جو ان کو جنّت میں لے جانیوالے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ مہینہ (جس میں انہوں نے عبادات کیں) ان کے لئے جنّت کے دروازے کھولنے کا موجب ہوا۔

اسی طرح جہنّم کے دروازوں کے بند ہو جانے سے مُراد یہ ہے کہ مومنوں کو ان کاموں سے اجتناب کرنے کی توفیق ملتی ہے جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ کیونکہ روزہ دار بڑے گناہوں سے تو بچتا ہی ہے اور چھوٹے گناہ ویسے معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح سب سے بڑا دوزخ جو خُدا تعالے کی ناراضگی ہے اس کے دروازے ایسے شخص پر بند ہو جاتے ہیں اور خُدا کی رضا کی جنتوں کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں۔ اور انسان کے اعمال اور عبادات کو احسن رنگ میں قبول کیا جاتا ہے۔

رمضان میں شیطانوں اور سرکشوں کے قید کئے جانے سے بھی یہی مطلب ہے کہ لوگ اللہ کی اطاعت میں مستعد ہو کر شیطانی خیالات و وساوس قبول کرنے سے رُک جاتے ہیں اور شیطان کی بات قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ روزہ سے قوتِ عقلیہ بڑھتی ہے جو انسان کو نیکی اور اطاعت کی طرف مائل کرتی ہے اور قوتِ حیوانیہ کم ہوتی ہے جو بدی کی تحریک کرتی ہے۔ اور یہ عام مشاہدہ ہے اور حقیقت ہے کہ رمضان کا مہینہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں باقی مہینوں کی نسبت گناہ کم اور عبادت زیادہ ہوتی ہے۔ اس مبارک مہینہ میں نیکی کے محرک زیادہ ہیں اور بدی کے کم۔

یہ حدیث دوسری جگہ زیادہ تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسُول اللہؐ نے فرمایا۔ جب رمضان کے مہینہ کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو جکڑ دیا جاتا ہے اور آگ کے دروازے بند کئے جاتے ہیں۔ کوئی ایک دروازہ بھی کھُلا نہیں رہتا اور جنّت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور کوئی ایک بھی بند نہیں رہتا۔ اور ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ اے بھلائی کے چاہنے والے! آ اور آگے بڑھ اور اے برائی کے چاہنے والے! رُک جا۔ اور اللہ کے لئے بہت سے لوگ آگ سے آزاد کئے جاتے ہیں اور رمضان کی ہر ایک رات کو ایسا ہوتا ہے۔ (ترمذی)

رمضان کے فضائل بہت ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ

کے صحیفے رمضان کی پہلی تاریخ کو اترے اور تورات ۶ رمضان کو اتری۔ انجیل ۱۳ رمضان کو اور زبور ۱۸ رمضان کو نازل ہوئی۔ اور قرآن کریم ۲۴ رمضان کو نازل ہوا۔ (طبرانی بحوالہ جامع الصغیر)

یہ وہ مہینہ ہے جس کے دن اور رات بندے خدا کی عبادت میں گذارتے ہیں۔ اور کسی مہینہ میں اتنی عبادت نہیں ہوتی۔ اسی لئے حدیث میں آیا اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ بَابًا وَبَابُ الْعِبَادَةِ الصِّیَامُ (جامع الصغیر) ہر چیز کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادت کا دروازہ روزے ہیں۔

رمضان کی عبادات کا ثواب بھی عام دنوں سے بڑھ کر کئی گنا عطا ہوتا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس مہینہ میں خداتعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی نفلی عبادت (مالی یا بدنی) بجا لاتا ہے اسے فرض کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے اور جو فرض ادا کرتا ہے اسے ستر فرض کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (بیہقی)

ان عبادات کے نتیجہ میں انسان کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ بن جاتا ہے (کنوز الحقائق) یعنی اگر انسان سچے دل اور تقویٰ سے رمضان کی عبادات بجا لائے تو رمضان ایسے اثرات چھوڑ جاتا ہے اور ایسی نیکیوں کی عادت ڈال جاتا ہے جو اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ:۔

اِذَا سَلِمَ رَمَضَانُ سَلِمَتِ السَّنَةُ۔

(دارقطنی بحوالہ جامع الصغیر)

کہ جب رمضان سلامتی سے گذر جائے تو سمجھو کہ سارا سال سلامت ہے۔

پس رمضان کے مقدس اور بابرکت مہینہ کی بہت حفاظت اور اہتمام کرنا چاہیئے تاکہ جسمانی۔ روحانی اور اخلاقی ہر لحاظ سے سارا سال وہ رمضان ہمارے لئے امن و سلامتی کا ذریعہ بنا رہے۔ اور یہ ایک بابرکت مہینہ سارے سال کے شرور و معاصی کے ازالہ اور کفارہ کا موجب بن جائے۔

روحانی دنیا میں رمضان کی جو عظمت اور شان ہے وہ اس حدیث سے خوب ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی آمد اور استقبال کی تیاریاں جنت میں رمضان کے بعد سے لے کر اس کے دوبارہ آنے تک پورا سال ہوتی رہتی ہیں۔ اور جنت خوب سجائی جاتی ہے۔ اور پھر جب رمضان آتا ہے اور اس کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے پتوں سے ہوا موٹی آنکھوں والی خوبصورت عورتوں (حوروں) پر چلتی ہے اور وہ کہتی ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنے بندوں میں سے ایسے جوڑے عطا فرما جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کی آنکھیں ہم سے ٹھنڈی ہوں۔ (بیہقی)

ایک اور روایت میں ہے:۔

خداتعالیٰ کے پاس ایک دسترخوان ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ

کسی کان نے سُنا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا۔ اس دسترخوان پر صرف روزہ دار ہی بیٹھیں گے۔ (جامع الصغیر)

حضرت اقدسؑ ماہِ رمضان کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عُمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلّی قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امّارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہوجائے اور تجلّی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خُدا کو دیکھ لے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۵۶)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"غرض رمضان ایک خاص اہمیّت رکھنے والا مہینہ ہے۔ جس شخص کے دل میں اسلام اور ایمان کی قدر ہوتی ہے وہ اس مہینہ کے آتے ہی اپنے دل میں ایک خاص حرکت اور اپنے جسم میں ایک خاص قسم کی کپکپاہٹ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتنی ہی صدیاں ہمارے اور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گزر جائیں ...... لیکن جس وقت رمضان کا مہینہ آتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان صدیوں اور سالوں کو

اس مہینہ نے لپیٹ لپاٹ کر چھوٹا سا کرکے رکھ دیا ہے اور ہم محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئے ہیں بلکہ محمد رسُول اللہ کے ہی قریب نہیں چونکہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس لئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام فاصلہ کو رمضان نے سمیٹ سماٹ کر ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب پہنچا دیا ہے۔"

(تفسیر کبیر آخری اکتیس رکوع صفحہ ۳۹۳-۳۹۴)

٥

روزہ کی حکمت و فلسفہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَجْهَلْ وَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ مَرَّتَیْنِ ۔ (بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ روزے ڈھال ہیں ۔ پس (روزہ کی حالت میں) نہ کوئی شہوانی بات کرے نہ جہالت اور نادانی کرے اور اگر کوئی اس سے لڑائی یا گالی گلوچ کرے تو وہ کہے میں روزہ دار ہوں میں روزہ دار ہوں ۔

تشریح:۔ روزہ کی فلاسفی قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی تم جسمانی اخلاقی اور روحانی ہر قسم کی کمزوریوں اور بیماریوں سے بچو ۔ یہی مطلب اس حدیث کا ہے کہ روزہ انسان کو ہر قسم کی برائیوں سے بچانے کے لئے بطور ڈھال کے ہے ، بعض دوسری احادیث میں اس کی مزید وضاحت ہے ۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کہتے ہیں ۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ۔ روزے آگ سے بچانے کے لئے ڈھال ہیں ۔ اس ڈھال کی طرح جو تم میں سے کسی کو جنگ کے دوران دشمن کے حملہ سے بچاتی ہے ۔ (ابن ماجہ)

اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی روایت ہے روزہ اس وقت تک ڈھال کا کام دیتا ہے ۔ جب تک روزہ دار خود اس ڈھال کو گزند نہ پہنچائے اور اس میں کوئی ٹوٹ پھوٹ اور رخنہ نہ ہونے دے ۔ (نسائی)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے ۔ روزہ ڈھال ہے اور آگ سے بچانے کے لئے حصن حصین ہے ۔ (مسند احمد)

ایک روایت میں ہے کہ روزہ آگ سے اور زمانہ کی تکالیف اور ہلاکتوں سے بچانے کے لئے بطور ڈھال کے ہے ۔

ایک اور روایت ہے کہ روزہ خدا کے عذاب سے بچانے کے لئے ڈھال ہے ۔ (جامع الصغیر)

خلاصہ یہ ہے کہ جو انسان روزہ کی پوری طرح حفاظت کرتا ہے ۔ اور پوری شرائط سے یہ عبادت بجالاتا ہے تو گویا یہی روزہ اس کے روحانی دشمن شیطان کے خلاف ایک ڈھال کے طور پر بن جاتا ہے ۔ یہ ڈھال روزہ دار کے پاس موجود ہوتی ہے ۔ شرط یہ ہے کہ وہ اسے استعمال کرے ۔ اور اس کا طریق اس حدیث میں یہ بتایا ہے کسی برائی کے خیال یا جہالت کی بات یا لڑائی کے وقت روزہ کی ڈھال کو کام میں لاؤ اور نہایت قوت اور

ہمت سے کہو کہ میں اس بُرائی میں ملوث نہ ہوں گا۔ میں اس لڑائی اور گالی گلوچ سے کنارہ کش رہوں گا کیونکہ میں روزہ دار ہوں۔ اگر اس طور پر انسان اس ڈھال کو استعمال کرے تو اسے نہ صرف دنیا کی ہلاکتوں سے۔ جسمانی، اخلاقی اور روحانی حملوں سے روزہ محفوظ رکھتا ہے بلکہ اس کے نتیجہ میں وہ جہنم کی آگ سے بھی محفوظ رہتا ہے اور ایک ہمیشہ کی مستقل ڈھال انسان کے لئے بن جاتا ہے۔ کتنی مبارک اور قیمتی ہے یہ ڈھال۔ کاش یہ ڈھال ہر مسلمان کو حاصل ہو جائے۔ تو معاشرہ کتنا پاک صاف ہو جائے۔

یہی مطلب ان احادیث کا ہے جن میں فرمایا ہے کہ جو شخص شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ روزے رکھے۔ روزے اسے گناہوں سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہیں۔ (بخاری)

دوسری اُمتوں اور مذاہب میں نفس کشی کے مختلف طریقے اور رہبانیت وغیرہ پائی جاتی تھی۔ اسلام نے اس سے روکا ہے۔ لیکن اس کا بہترین متبادل مسلمانوں کو دیا۔ فرمایا خِصَاءُ اُمَّتِیْ الصِّیَامُ (مسند احمد) میری اُمّت کی نفس کشی کا ذریعہ روزے ہیں۔ لیکن جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روزہ کو بھی رہبانیت کا ذریعہ بنانا چاہا اور ساری عمر مسلسل روزے رکھنے کے عہد کئے تو آپؐ نے منع فرمایا۔ اور ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے کی اجازت دی۔ (ترمذی) اور بعض صحابہ کو یہ ارشاد فرمایا کہ روزہ خُدا کا حق ہے۔ صرف اس کی ادائیگی تمہارے ذمّے نہیں بلکہ اور بھی حقوق ہیں ان کو بھی ادا کرو۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، جسم کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے۔ پس

سب حقداروں کو ان کے حق ادا کرو۔ (بخاری)

الغرض روزوں کے ڈھال ہونے سے مقصد یہ ہے کہ انسان گناہ آلود زندگی سے بچ جائے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے:۔

اِنَّمَا سُمِّیَ رَمَضَانُ لِاَنَّهٗ یَرْمُضُ الذُّنُوْبَ۔

(جامع الصغیر)

رمضان کا نام رمضان اس لئے رکھا گیا کہ یہ گناہوں کو جلا دیتا ہے کیونکہ رمض کے معنے تپش اور جلن کے ہیں۔

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:۔

"رمضان سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل و شرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کے لئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہُوا۔ اہلِ لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینے میں آیا اس لئے رمضان کہلایا۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ عرب کے لئے خصوصیت نہیں ہو سکتی۔ روحانی رمضان سے مراد روحانی ذوق شوق اور حرارت دینی ہوتی ہے رمضان اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر وغیرہ گرم ہوتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۲۰۹)

حدیث میں ہے روزوں سے گناہوں کا کفّارہ ہوتا ہے۔ حضرت

حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے
ایک آدمی کا فتنہ جو اس کے اہل وعیال اور مال اور ہمسائے کی وجہ سے
پیدا ہو۔ نماز روزے اور صدقہ اس کا کفّارہ ہوجاتے ہیں (بخاری)

پھر روزہ جسمانی بیماریوں کا بھی علاج ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی
روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ہر چیز کو (پاک کرنے کے لئے) اس
کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے۔ اور جسم کی (ظاہری و باطنی) زکوٰۃ اور پاکیزگی
کا ذریعہ روزہ ہے۔ (ابن ماجہ)

اور ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ۔ صُومُوا تَصِحُّوا۔ تم
روزے رکھا کرو صحت مند رہوگے۔ (جامع الصغیر)

نیز ارشاد ہے کہ صبر کے مہینے یعنی رمضان کے روزے سینے کی
گرمی اور کدورت دُور کرتے ہیں۔ (جامع الصغیر)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"روزے کئی قسم کی امراض سے نجات دلانے کا موجب
بن جاتے ہیں۔

آج کل کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ بڑھاپا یا ضعف
آتے ہی اس وجہ سے ہیں کہ انسان کے جسم میں زائد مواد جمع
ہوجاتے ہیں اور ان سے بیماری یا موت پیدا ہوتی ہے۔
...... اور روزہ اس کے لئے بہت مفید ہے۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۳۷۵ آخر اکتیس رکوع)

پس روزہ جہاں جسمانی کمزوریوں کے لئے بطور ڈھال کے کام دیتا
ہے۔ روحانی لحاظ سے بھی ڈھال بنا کر انسان ہر قسم کی شر سے بچ سکتا
ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

" لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں دُوسرا اشارہ اس امر کی طرف
کیا گیا ہے کہ اس ذریعہ سے خدا تعالیٰ روزہ دار کا محافظ ہوجاتا
ہے کیونکہ اتّقاء کے معنے ہیں ڈھال بنانا۔ نجات کا ذریعہ بنانا
پس اس آیت کے معنے یہ ہوئے کہ تم پر روزے رکھنے اسلئے
فرض کئے گئے ہیں۔ تاکہ تم خدا تعالیٰ کو اپنی ڈھال بناؤ اور ہر
شر سے اور ہر خیر کے فقدان سے محفوظ رہو۔ ضعف دو قسم
کے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ انسان کو کوئی شر پہنچ جائے اور
دوسرے یہ کہ کوئی نیکی اس کے ہاتھ سے جاتی رہے.......
اتّقاء ان دونوں باتوں پر دلالت کرتا ہے اور متقی وہ ہے
جسے ہر قسم کی خیر مل جائے اور وہ ہر قسم کی ذلّت اور شر
سے محفوظ رہے"

(تفسیر کبیر البقرہ آخری اکتیس رکوع صفحہ ۳۷۵ و صفحہ ۳۷۶)

صوفیاء کہتے ہیں کہ تصوّف کی جان کم بولنا، کم کھانا اور کم سونا ہے۔
اور رمضان کا مہینہ اس تصوّف کا خلاصہ اور نچوڑ اپنے اندر رکھتا ہے۔

حضرت اقدسؑ روزہ کی فلاسفی کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"کم کھانا اور بھوک برداشت کرنا بھی تزکیہ نفس کے واسطے ضروری

ہے۔ اور اس سے کشفی طاقت بڑھتی ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ ابدی زندگی کا خیال چھوڑ دینا اپنے اُوپر قہرِ الٰہی کا نازل کرنا ہے۔" (تقاریر جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۱-۲۰)

نیز فرمایا:۔

"بد نصیب ہے وہ شخص جس کو جسمانی روٹی ملی مگر اس نے رُوحانی روٹی کی پرواہ نہیں کی۔ جسمانی روٹی سے جسم کو قوت ملتی ہے ایسا ہی رُوحانی روٹی روح کو قائم رکھتی ہے۔ اور اس سے روحانی قویٰ تیز ہوتے ہیں۔ خُدا سے فیضیاب ہونا چاہو کہ تمام دروازے اس کی توفیق سے کھلتے ہیں۔" (تقاریر جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۱-۲۰)

روزہ اصلاحِ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو رشد سے بھی خاص تعلق ہے اور اس کا ذریعہ خدا پر ایمان اور اس کے احکام کی اتباع اور دُعا کو قرار دیا ہے اور یہی باتیں ہیں جن سے قُربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔" (مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۱۸۲ مرتبہ مولوی محمد فضل خان)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ حکمت پر مبنی یہ تحریک فرمایا کرتے تھے کہ "ہر رمضان المبارک میں انسان کو کوئی ایک بُرائی بہرحال چھوڑنے کا عہد کرنا چاہیئے۔" اور واقعی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رمضان کے بابرکت مہینہ میں کسی بُرائی کو چھوڑنا باقی دنوں کی نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اور رمضان ایسے بابرکت عہد کے ایفاء میں بہت ممد ہوتا ہے۔ انسان دُعا سے مزید اس عہد کو پختہ کرے۔

(۶)

نیّتِ روزہ

عَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ (ترمذی ابواب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص فجر سے پہلے روزہ رکھنے کی نیت نہ کرے اس کا روزہ مکمل نہیں ہوتا۔

تشریح:۔ اسلام نے اعمال کی بنیاد نیتوں پر رکھی ہے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کہ اعمال کا انحصار انسان کی نیّت اور ارادہ پر ہے۔ اس لئے اسلامی عبادات کے شروع کرنے کے لئے بھی اخلاص، نیّت اور نیک ارادہ شرط ہے۔ جب ایک مسلمان کسی خاص عبادت کی نیّت کر کے اسے ادا کرے گا تب اس کی وہ عبادت ادا ہوگی۔ یہی بات روزہ کے بارہ میں فرمائی ہے کہ اس کے لئے نیّت کرنی چاہیئے۔ بہتر یہ ہے کہ انسان رات کو روزہ رکھنے کا ارادہ اور نیّت کر کے سوئے۔ روزہ کی نیّت کے لئے کوئی معیّن الفاظ ادا کرنے ضروری نہیں نیّت اس ارادے

کا نام ہے کہ وہ کس لئے کھانا پینا چھوڑ رہا ہے۔

روزہ کی نیت کی کوئی دُعا احادیث میں مذکور نہیں۔ ایک فقرہ یہ رائج ہے جس کے پڑھنے میں حرج نہیں:۔

"وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ"

کہ کل صبح رمضان کے مہینہ کا روزہ رکھنے کی مَیں نیت کرتا ہوں۔

اگر اپنی زبان یا الفاظ میں بھی نیت کرے تو کوئی حرج نہیں۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک رمضان کے روزہ کی نیت رات کو کرنی ضروری ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک رمضان کے مہینہ میں رات کو روزہ کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ روزہ کی نیت کرنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی تعیین کی جائے کہ کونسا روزہ ہے۔ نفلی یا فرضی۔ اور رمضان کے فرض روزے رکھنے کا حکم دے کر خود خدا تعالیٰ نے اس کی تعیین فرما دی ہے اس لئے رات کو اس کی نیت اور تعیین کرنا ضروری نہیں۔ ہمارے نزدیک روزہ رکھتے وقت بھی اگر آدمی مسنون نیت یا اپنے الفاظ میں کرلے تو بہتر ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی رمضان کے روزہ کی نیت منہ سے بول کر نہ کر سکے اور ارادہ روزہ کا ہو تو اس کا روزہ ہو جاتا ہے۔ امام شافعی و ابو حنیفہؒ کے نزدیک نصف النہار سے قبل تک رمضان کے روزہ کی نیت کی جا سکتی ہے اور امام مالکؒ اور احمدؒ بن حنبل اور اسحاق کہتے ہیں کہ اگر رمضان کی پہلی رات سارے رمضان کے مہینہ کے روزے رکھنے کی نیت کرلے تو کافی ہے کیونکہ کل رمضان کی نیت

اور ایک روزہ کی نیت ایک ہی بات ہے۔

حضرت اقدسؑ سے ایک دفعہ ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ مَیں مکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور میرا یقین تھا کہ ہنوز روزہ رکھنے کا وقت ہے اور مَیں نے کچھ کھا پی کر روزہ کی نیت کی مگر بعد میں ایک دوسرے شخص سے معلوم ہوا کہ اس وقت سفیدی ظاہر ہو گئی تھی۔ اب مَیں کیا کروں۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ ایسی حالت میں اس کا روزہ ہو گیا۔ دوبارہ رکھنے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ اپنی طرف سے اس نے احتیاط کی اور نیت میں فرق نہیں۔ (بدر ۱۴ر فروری ۱۹۰۷ء ص۸)

اگر رات روزہ کی نیت کرکے سویا اور صبح سحری کے وقت آنکھ نہ کھل سکنے کی وجہ سے سحری نہ کھا سکا تو بغیر سحری کے روزہ رکھ سکتا ہے اور رات کی نیت ہی کافی ہوگی۔ لیکن عام طور پر بغیر سحری روزہ رکھنا اور اسے معمول بنا لینا پسندیدہ نہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ کیا نیت ضروری ہے۔ فرمایا:۔

"روزہ کے لئے نیت ضروری ہے۔ بغیر نیت کا ثواب نہیں۔ نیت دل کے ارادے کا نام ہے۔"

(الفضل ۲۸ر جولائی ۱۹۱۴ء)

۷

بیمار اور معذور کا روزہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَعَنِ الْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ۔ (ترمذی ابواب الصوم)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز معاف کر دی ہے۔ اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو روزہ سے رخصت دی ہے۔

تشریح:۔ اسلام کی تعلیم میں سہولت اور آسانی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس لئے روزہ کے احکام میں بھی معذور طبقہ (مسافر اور بیمار وغیرہ) کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ رمضان کے بعد جب روزہ رکھنے کے قابل ہو سکیں روزے رکھ لیں۔ لیکن رمضان میں روزہ نہ رکھ سکنے کی تلافی فدیہ سے کریں جو ایک روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فدیہ کی حکمت بیان فرماتے ہوئے روزہ نہ رکھ سکنے والے بیمار کے لئے بہت پیاری دُعا سکھائی ہے جو اس کیلئے

تلافی کا ذریعہ بن سکتی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ فدیہ کس لئے مقرر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ توفیق کے واسطے ہے تاکہ روزہ کی توفیق اس سے حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شے خدا تعالیٰ ہی سے طلب کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی روزہ کی طاقت عطا کر سکتا ہے تو فدیہ سے یہی مقصود ہے کہ وہ طاقت حاصل ہو جائے۔ اور یہ خُدا کے فضل سے ہوتا ہے۔ پس میرے نزدیک خوب ہے کہ انسان دُعا کرے کہ الٰہی! یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خُدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۵۸)

"بیمار یا معذور کے فدیہ دینے کے بعد جب روزہ رکھنے کی روک دُور ہو جائے تو وہ روزے رکھے۔ کیونکہ فدیہ سے روزہ ساقط نہیں ہوتا۔ اگر دو تین سال بعد بھی صحت اجازت دے تو

حسب استطاعت روزہ رکھنا ہوگا۔"

(بحوالہ الفضل ۱۰ اگست ۱۹۲۵ء)

فدیہ کی مقدار ارشاد قرآنی مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ (مائدہ: ۹۰) کے موافق اپنے اوسط معیار کے مطابق کھانا کھلانا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس کا اندازہ گندم کے لحاظ سے نصف صاع یعنی قریباً پونے دو سیر بیان کیا ہے یہ ایک فوت شدہ روزے کا فدیہ ہوگا۔ یعنی دو وقت کے کھانا کے برابر — پھر فدیہ اس پر واجب ہے۔ جو ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو ورنہ غیر مستطیع کے لئے ندامت، توبہ، استغفار، دُعا، ذکرِ الٰہی اور خدمتِ دین کا استلزام کفایت کرے گا۔

معذوروں کے اس طبقہ میں مسافر و بیمار۔ نیز بوڑھا، حاملہ عورت اور دودھ پلانیوالی عورت شامل ہیں۔ مسافر کے روزہ کا ذکر الگ کیا جائے گا۔ یہاں بیمار اور دوسرے معذوروں کا ذکر ہے۔ جن میں حاملہ، مرضعہ، حائضہ شامل ہیں۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ عورت کو جسے خرابیٔ صحت کا اندیشہ ہو اور دودھ پلانے والی عورت کو جسکے بچے کی صحت بگڑنے کا احتمال ہو روزہ سے رخصت دی ہے۔ (ابن ماجہ) جس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ رمضان کے بعد روزے پورے کرلیں اور اگر طاقت ہو تو فدیہ بھی دینا چاہیئے جو

اس بات کا کفارہ ہوگا کہ رمضان کے برکتوں والے مہینے میں وہ روزہ کی عبادات بجالانے سے محروم رہے۔ اور اگر فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہیں تو روزے کافی ہیں۔

اگر کسی عورت کو ایسی حالت پیش آتی رہتی ہے کہ ایک وقت میں مرضعہ ہے اور دوسرے وقت میں حاملہ تو اس سے روزہ معاف ہے اور صرف فدیہ کافی ہے۔ اسی طرح شیخ فانی اور دائم المریض کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ کہ جسکی آئندہ روزہ رکھنے کا امکان صحت کے لحاظ سے کوئی نہیں تو وہ صرف فدیہ ہی ادا کردے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سے سوال ہوا کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی روزہ رکھے یا نہ؟ آپ نے فرمایا:۔

"روزہ نہ رکھے" (فتاویٰ احمدیہ ص۱۶۵)

ایک دوست نے حضرت صاحب سے ذیابیطس کی بیماری میں روزہ کے متعلق دریافت کیا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "بیماری میں روزہ جائز نہیں اور ذیابیطس میں تو بہت ہی مضر ہے۔"

(الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء)

دائمی مریض اور مسافر کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:۔

"جن بیماروں اور مسافروں کو امید نہیں کہ کبھی پھر روزہ رکھنے کا موقع مل سکے۔ مثلاً ایک بہت بوڑھا ضعیف

انسان یا ایک کمزور حاملہ عورت جو دیکھتی ہے کہ بعد وضع حمل بسبب بچے کو دودھ پلانے کے وہ پھر مسدود ہو جائے گی اور سال پھر اسی طرح گزر جائے گا۔ ایسے اشخاص کے واسطے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں کیونکہ وہ روزہ رکھ ہی نہیں سکتے۔ اور فدیہ دیں۔ فدیہ صرف شیخ فانی یا ان جیسوں کے واسطے ہو سکتا ہے جو روزہ کی طاقت کبھی بھی نہیں رکھتے باقی اور کسی کے واسطے جائز نہیں کہ صرف فدیہ دے کر روزے کے رکھنے سے معذور سمجھا جا سکے۔ عوام کے واسطے جو صحت پا کر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھولنا ہے۔ جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے بوجھوں کو سر پر سے ٹالنا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ ان کو ہی ہدایت دی جائے گی"

(فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۱۸۳)

حائضہ کے بارہ میں حضرت عائشہ رضی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم حیض کے باعث روزے چھوڑتی تھیں تو ہمیں بعد میں وہ روزے پورے کرنے کا ارشاد ہوتا تھا۔ (ابن ماجہ)

نفاس والی عورت کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ روزہ نہیں رکھ سکتی۔

بیمار آدمی کے متعلق قرآن کریم کی واضح ہدایت موجود ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں جب صحت بحال ہو روزے رکھے۔ پس جب حائضہ حیض سے پاک ہو جائے۔ نفاس والی کے دن ختم ہو جائیں۔ حاملہ کے بچہ پیدا ہو جائے یا دودھ پلانے والی دودھ پلانا بند کر دے۔ اس حالت میں ان لوگوں پر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا واجب ہوگی اور یہ روزے انہیں رکھنے ہوں گے۔

اس سلسلہ میں دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ افراط یا تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ کئی تو بغیر کسی بیماری یا عذر شرعی کے روزہ چھوڑ دیتے ہیں اور کئی لوگ سب بیمار بوڑھے بچے حاملہ اور دودھ پلانیوالی عورت سے یہی اُمید رکھتے ہیں کہ وہ روزہ رکھے۔ یہ دونوں راہیں درست نہیں کیونکہ ایک تو اسلام کے احکام میں جبر نہیں دوسرے اکی رخصتوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بعض احکام میں بعض شرائط مقرر کر دی ہیں۔ رمضان کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ اگر انسان مریض ہو خواہ اسے مرض لاحق ہو چکا ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں روزہ رکھنا اُسے یقینی طور پر بیمار کر دے یا بیماری میں اضافہ کا موجب ہو جیسے حاملہ ہے یا دودھ پلانے والی عورت ہے یا ایسا بوڑھا شخص جس کے اعضاء میں انحطاط شروع ہو چکا ہے اُسے

روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ افراط و تفریط سے بچنا چاہیئے۔ نہ تو معمولی عذر اور کمزوری اور ضعف ہو جانے کے بہانہ سے روزہ چھوڑنا چاہیئے۔ اور نہ ہی واقعی مجبوری اور حقیقی عذر میں روزہ رکھنا چاہیئے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

"روزہ کے بارہ میں شریعت نے نہایت تاکید کی ہے اور جہاں اس کے متعلق حد سے زیادہ تشدد ناجائز ہے وہاں حد سے زیادہ نرمی بھی ناجائز ہے۔ پس نہ تو اتنی سختی کرنی چاہیئے کہ جان تک چلی جائے اور نہ اتنی نرمی اختیار کرنی چاہیئے کہ شریعت کے احکام کی ہتک ہو اور ذمہ داری کو بہانوں سے ٹال دیا جائے۔ میں نے دیکھا ہے کہ کئی لوگ محض کمزوری کے بہانہ کی وجہ سے روزے نہیں رکھتے اور بعض تو کہہ دیتے ہیں کہ اگر روزہ رکھا جائے تو پیچش ہو جاتی ہے۔ حالانکہ روزہ چھوڑنے کے لئے یہ کوئی کافی وجہ نہیں کہ پیچش ہو جایا کرتی ہے۔ جب تک پیچش نہ ہو انسان کیلئے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ جب پیچش ہو جائے تو پھر بیشک چھوڑ دے۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں روزہ رکھنے سے ضعف ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بھی کوئی دلیل نہیں صرف اس ضعف کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز ہے جس میں ڈاکٹر روزہ سے منع کرے۔" (تفسیر کبیر سورۃ البقرہ صفحہ ۳۸۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سلسلہ میں نہایت زرّیں ارشاد فرمایا ہے :۔

"اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو دوسری اُمتوں کی طرح اس اُمت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے واسطے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینہ میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا تعالیٰ اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر انسان ماہ رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہوتی ہے کیونکہ ہر ایک عمل کا مدار نیّت پر ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور ثابت کرے جو شخص روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا اور اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے۔ بشرطیکہ وہ بہانہ جُو نہ ہو تو خدا تعالیٰ اسے ہرگز ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ ایک باریک امر ہے کہ اگر کسی شخص پر (اپنے نفس کے کسی کسل کی وجہ سے) روزہ گراں ہے اور اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہونگے اور یہ ہوگا

اور وہ ہوگا تو ایسا شخص جو خدا تعالیٰ کی نعمت کو خود اپنے اُوپر
گراں گمان کرتا ہے کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ لیکن وہ
شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا
اور میں اس کا منتظر تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر
وہ بوجہ بیماری کے روزہ نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر
روزہ سے محروم نہیں ہے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۵۸ تا ۲۶۰)

تاہم جو شخص حقیقی بیمار ہے اس کے لئے روزہ نہ رکھنا ہی بہتر ہے
اور اگر وہ روزہ رکھتا ہے تو حکم الٰہی کی نافرمانی کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود
علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہِ صیام
میں روزہ رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے صریح حکم کی نافرمانی
کرتا ہے۔"

(فتاویٰ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام صفحہ ۱۳۲-۱۳۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مزدور اور محنتی کے روزہ کے
بارہ میں بھی سوال ہوا کہ بعض اوقات رمضان ایسے موسم میں آتا ہے۔ کہ
کاشتکاروں سے جبکہ کام کی کثرت مثل تخم ریزی و درودگی ہوتی ہے
(اور) ایسے مزدوروں سے جن کا گزارہ مزدوری پر ہے روزہ نہیں
رکھا جاتا ان کی نسبت کیا ارشاد ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے

فرمایا:۔

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ یہ لوگ اپنی حالتوں کو مخفی
رکھتے ہیں۔ ہر شخص تقویٰ و طہارت میں اپنی حالت سوچ
لے۔ اگر کوئی اپنی جگہ مزدور رکھ سکتا ہے تو ایسا کرے
ورنہ مریض کے حکم میں ہے۔ پھر جب یُسّر ہو رکھ لے۔"

(بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۷)

امتحان میں طالب علم کے روزہ کے بارہ میں الفضل میں حسب ذیل
فتویٰ شائع ہوا:۔

"اسی طرح وہ بچے بھی بیمار کی مد میں ہیں جن کے
اجسام نشوونما پا رہے ہوں یا جو کمزور صحت کے ساتھ
امتحان کی تیاری میں مصروف ہیں۔ ان دنوں ان کے دماغ پر
اس قدر بوجھ ہوتا ہے کہ بعض پاگل ہو جاتے ہیں۔ کئی ایک
کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ پس اس سے کیا فائدہ کہ ایک
بار روزہ رکھ لیا اور پھر ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔"

(الفضل جلد ۱۹ ۳۱-۳۰)

بچوں کے روزہ رکھوانے کے بارہ میں بھی بعض لوگ افراط و تفریط
کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ بچہ اور بوڑھا بھی معذور کے حکم میں ہیں
البتہ بچوں کے دل میں رمضان کی عظمت اور احترام پیدا کرنے کے
لئے روزہ کی عبادت کے لطف سے روشناس کرانے کے لئے نیز

بچپن سے روزہ کی عادت ڈالنے اور ان کی تربیت کے لئے کبھی روزہ رکھوایا جائے تو حرج نہیں۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں بچوں کے روزہ کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور اس میں حضرت عمرؓ کا یہ قول درج کیا ہے جو انہوں نے شراب سے ایک بدمست کو فرمایا تھا:۔

"تیرا بُرا ہو ہمارے بچے روزے سے ہیں" (اور تو شراب پیتا ہے)۔

چنانچہ اسے کوڑے لگائے گئے۔

رمضان کے فرض ہونے سے پہلے عاشورہ (دسویں محرم) کے روزہ کے بارہ میں روایت کرتے ہوئے حضرت ربیعؓ بنت معوّذ بیان فرماتی ہیں کہ:۔

"ہم یہ روزہ رکھتے تھے اور بچوں سے بھی رکھواتے تھے۔ اور ان کو بہلانے اور کھیل کود میں مصروف رکھنے کے لئے روئی کا ایک کھلونا (گیند یا کھدو) بنا کر دیتے تھے۔ اور جب کوئی کھانے کے لئے روتا تھا تو اسے وہ کھلونا دے دیتے تھے اور اس طرح افطار کے وقت تک ان کو بہلا رکھتے تھے۔"

(بخاری کتاب الصوم)

اس روایت میں جس سختی کا ذکر ہے اوّل تو وہ رمضان کے فرض ہونے سے پہلے کی ہے۔ دوسرے شروع میں سارے سال میں ایک

دن میں یہ روزہ ہوتا تھا۔ جو نسبتاً بڑی عمر کے کھلنڈرے بچوں کو بھی رکھوا لیتے تھے۔ گویا ایسا ایک آدھ روزہ رکھوانے میں حرج نہیں۔ زیادہ روزے رکھوانے میں حرج ہے جس سے بچہ کی صحت متأثر ہو۔

روزہ کی عمر کے متعلق

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

"کئی ہیں جو چھوٹے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے ہیں۔ حالانکہ ہر ایک فرض اور حکم کے لئے الگ الگ حدیں اور الگ الگ وقت ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک بعض احکام کا زمانہ چار سال کی عمر سے شروع ہوجاتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کا زمانہ سات سال سے بارہ سال تک ہے اور بعض ایسے ہیں جن کا زمانہ ۱۵ یا ۱۸ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ میرے نزدیک روزوں کا حکم ۱۵ سے ۱۸ سال تک کی عمر کے بچے پر عائد ہوتا ہے اور یہی بلوغت کی حد ہے۔ ۱۵ سال کی عمر سے روزہ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اور ۱۸ سال کی عمر میں روزے فرض سمجھنے چاہئیں۔ مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے تھے ہمیں بھی روزہ رکھنے کا شوق ہوتا تھا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ہمیں روزہ نہیں رکھنے دیتے تھے اور بجائے اس کے ہمیں روزہ رکھنے کے متعلق کسی قسم کی تحریک کرنا پسند کریں ہمیشہ ہم پر رعب ڈالتے تھے تو بچوں کی صحت کو قائم رکھنے اور ان کی قوت بڑھانے کے لئے روزہ رکھنے سے انہیں روکنا چاہیئے۔ اس کے بعد جب ان کا وہ زمانہ آجائے جب وہ اپنی قوت کو پہنچ جائیں جو ۱۵ سال کی عمر کا زمانہ ہے تو پھر ان سے روزے رکھوائے جائیں اور وہ بھی آہستگی کے ساتھ۔ پہلے سال جتنے رکھیں دوسرے سال ان سے کچھ زیادہ اور تیسرے سال اس سے زیادہ رکھوائے جائیں اس طرح بتدریج ان کو روزہ کا عادی بنایا جائے۔"

(الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۲۵ء)

نیز معذور بوڑھے کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"بوڑھا جس کے قویٰ مضمحل ہو چکے ہیں اور روزہ اسے زندگی کے باقی اشغال سے محروم کر دیتا ہے اس کیلئے روزوں کا رکھنا نیکی نہیں پھر وہ بچہ جس کے قویٰ نشوونما پا رہے ہیں اور آئندہ ۵۰ ۶۰ سال کے لئے طاقت کا ذخیرہ جمع کر رہے ہیں اس کیلئے بھی روزہ رکھنا نیکی نہیں ہو سکتا مگر جس میں طاقت ہے اور وہ رمضان کا مخاطب ہے وہ اگر روزہ نہیں رکھتا تو گناہ کا مرتکب ہے۔"

(الفضل ۲ فروری ۱۹۳۲ء)

۸

سفر میں روزہ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَأَى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا فَقَالُوا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ۔

(بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے راستے میں (ایک پڑاؤ پر) آپ نے (صحابہ کا) ایک ہجوم دیکھا (جس میں) ایک شخص پر سایہ کیا جا رہا تھا۔ حضورؐ نے پوچھا کہ کیا بات ہے (صحابہ رضؓ نے) عرض کی ایک روزہ دار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

تشریح:۔ جب روزے فرض ہوئے تو شروع شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سفر میں روزہ رکھنے کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ اختیار

دیا کہ جو چاہے اور سفر میں روزہ رکھ سکے وہ رکھ لے اور خود حضورؐ کا اپنا
عمل بھی اس ابتدائی زمانہ میں یہی تھا کہ کبھی سخت مشقت میں بھی روزہ
رکھ لیتے تھے اور آپ کو دیکھ کر بعض صحابہ بھی روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت
ابوالدرداءؓ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک غزوہ میں اس شدّت
کی گرمی تھی کہ صحابہ گرمی سے بچنے کے لئے سر چھپاتے تھے اور جنہیں کوئی
کپڑا میسر نہ تھا وہ ہاتھ سر پر رکھ کر گرمی سے بچنے کی کوشش کرتا تھا
مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے اس
شدید گرمی میں بھی روزہ رکھا ہوا تھا۔ (ابوداؤد کتاب الصوم)

اس ابتدائی زمانہ کے متعلق حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت
ہے کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔
ہم میں سے کچھ لوگ روزہ رکھتے تھے اور کچھ نہیں رکھتے تھے لیکن اس
وقت سفر میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ہم یہ
کہتے تھے کہ جسے طاقت ہو اور وہ سفر میں روزہ رکھ لے تو اچھا ہے اور
جو بوجہ ناطاقتی کے روزہ نہ رکھ سکے تو بھی ٹھیک ہے۔ کوئی حرج کی
بات نہیں۔ (مسلم۔ ترمذی کتاب الصوم)

معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں روزہ کے احکام نازل ہونے کے
بعد بھی سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت کو ایک سہولت سمجھ کر بعض فائدہ
اٹھاتے تھے اور بعض نہیں اٹھاتے تھے۔ اور حضورؐ نے ان پر کوئی سختی
ابتداءً نہیں فرمائی۔ چنانچہ ایک صحابی حمزہؓ بن عمرو اسلمی نے آنحضورؐ

سے پوچھا کہ مجھے سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت ہے۔ کیا روزہ رکھنے سے
مجھے گناہ تو نہیں ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک
رخصت ہے اسے قبول کرنا زیادہ بہتر ہے اور جو روزہ رکھنا پسند
کرے اس پر گناہ کوئی نہیں۔ (مسلم)

لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں کیلئے
سفر میں روزہ رکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک سفر
میں صحابہؓ حضورؐ کے ساتھ تھے کچھ لوگوں کو روزہ تھا۔ جب پڑاؤ کیا گیا
تو روزے دار تو تھک ہار کر بیٹھ رہے اور بے روزوں نے خوب کام کیا۔
اور خیمے وغیرہ نصب کئے۔ اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ آج بے روزے روزہ داروں سے اجر اور ثواب میں سبقت
لے گئے۔ (بخاری۔ مسلم کتاب الصوم)

لیکن کچھ عرصہ بعد جب حضورؐ نے دیکھا کہ بعض لوگ سخت تکلیف اٹھا
کر بھی سفر میں روزہ رکھتے اور قرآنی رخصت کو محض سہولت سمجھ کر اس سے
فائدہ نہ اٹھاتے ہوئے اور اپنے نفس پر ظلم کرتے ہوئے سفر میں روزہ
باعث ثواب سمجھتے ہیں تو آپ کو سختی سے سفر میں روزہ رکھنے سے منع
فرمانا پڑا۔

چنانچہ فتح مکہ کے سال ۸ھ میں آنحضورؐ نے رمضان المبارک میں
مکہ کا سفر فرمایا۔ تو اس سفر میں ابتداءً حضورؐ اور آپ کے بعض صحابہؓ
روزے رکھتے رہے۔ جب کراع الغمیم مقام پر پہنچے (اور بعض روایات

میں مقام کدید کا ذکر ہے یہ دونوں مقام مکہ سے قریب ہیں) تو حضورؐ
سے درخواست کی گئی کہ بعض لوگ حضورؐ کے روزہ رکھنے کی وجہ سے
سخت مشقت اور تکلیف کے ساتھ (حضورؐ کی محبت اور اطاعت کے
جوش میں) روزے رکھ رہے ہیں۔ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے
اسی وقت پانی منگوایا اور تمام لوگوں کے سامنے پانی پی کر روزہ کھول لیا۔
یہ عصر کے بعد کا وقت تھا اس پر بعض روزہ دار صحابہؓ نے تو روزہ کھول لیا
اور بعض نے خیال کیا کہ غروب آفتاب میں تھوڑی دیر باقی ہے اور ہم اس
وقت تک صبر کر سکتے ہیں۔ انہوں نے روزہ نہ کھولا۔ جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا:۔

اُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ۔ یہ لوگ نافرمان ہیں۔

(ترمذی۔ ابواب الصوم)

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ کدید مقام تک تو حضورؐ سفر فتح مکہ
میں روزے رکھتے رہے۔ اس کے بعد نہیں رکھے اور صحابہؓ کا دستور تھا
کہ حضورؐ کے آخری عمل کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اور امام زہری کہتے ہیں
کہ سفر میں روزہ کے مسئلہ میں آنحضورؐ کا آخری عمل اور سنت روزہ نہ
رکھنا ہے اور صحابہ حضورؐ کی آخری سنت کو ہی قابل عمل قرار دیتے تھے۔

(مسلم کتاب الصوم)

چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضورؐ نے سفر میں روزہ رکھنے والوں کو
سختی سے ڈانٹا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک

سفر میں آنحضورؐ نے اپنے ساتھیوں کا ہجوم دیکھا جس میں ایک شخص پر
سایہ کیا جارہا تھا۔ حضورؐ نے سبب پوچھا تو عرض کی گئی کہ روزہ دار کو
سایہ کیا جارہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جلال سے
فرمایا:۔

"لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِی السَّفَرِ"

سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔ (بخاری کتاب الصوم)

اسی قسم کا ایک اور سفر کا واقعہ لکھا ہے کہ حضورؐ ایک شخص کے
پاس سے گذرے جس پر پانی پھینکا جارہا تھا۔ حضورؐ نے صحابہؓ سے ازراہِ
شفقت پوچھا۔ تمہارے ساتھی کو کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کی کہ روزہ دار
ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ یہ نیکی کی بات نہیں کہ تم سفر میں روزہ رکھو۔ تمہارے
لئے اللہ تعالیٰ کی اس رخصت سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے جو اس نے
تم کو عطا کی ہے۔ پس اس رخصت کو قبول کرو۔ (نسائی کتاب الصوم)
بلکہ اس کے بعد آنحضورؐ خود مسافر کا روزہ کھلوا دیا کرتے تھے۔ عمرو
بن امیہؓ ضمری بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک سفر سے
حاضر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابوامیہؓ کھانے کا انتظار کرو۔ میں نے کہا
حضور مجھے روزہ ہے۔ آپؐ نے ازراہِ محبت فرمایا اور میرے قریب آؤ
میں تمہیں بتاؤں کہ مسافر کو اللہ تعالیٰ نے روزہ سے رخصت دی ہے اور
آدھی نماز بھی اسے معاف کی ہے۔ (نسائی)
حضورؐ کے ان ارشادات کے بعد صحابہ کرامؓ سفر میں روزہ نہیں رکھا

کرتے تھے بلکہ روزہ رکھنا معصیت خیال کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن رضؓ بن عوف فرماتے ہیں کہ رمضان میں سفر میں روزہ رکھنے والا (خدا کے حکم کی نافرمانی کے لحاظ سے) اسی شخص کی طرح ہے جو گھر میں رہ کر (بلا عذر) روزہ نہیں رکھتا (ابن ماجہ)۔

اسی طرح محمد بن کعب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت انس رضؓ بن مالک خادمِ رسول ﷺ کے پاس رمضان کے مہینہ میں آیا۔ آپ ایک سفر پر جانے والے تھے۔ سواری تیار کی گئی۔ آپ نے کھانا منگوا کر تناول فرمایا۔ میں نے پوچھا کیا یہ سنّتِ رسولؐ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ سنّت ہے اور پھر آپ سفر پر تشریف لے گئے۔ (ترمذی)۔

اسی طرح تابعین کرام بھی مسافر کا روزہ کھلوا دیا کرتے تھے۔ مشہور تابعی ابو قلابہ بزرگ عالم بھی تھے۔ ایک سفر میں آپ کے ساتھ کوئی شخص تھا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو اس نے کہا میں روزہ سے ہوں۔ ابو قلابہ نے کہا:۔

"اللہ نے مسافر کو آدھی نماز معاف کی ہے اور سفر کے روزہ سے رخصت دی ہے اس لئے تم میرے ساتھ کھانا کھالو اور روزہ کھول دو۔ چنانچہ فلاں شخص آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا۔" (نسائی)

یہی وجہ ہے کہ علمائے اُمّت نے بھی سفر میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ علامہ داؤد بن علی اصفہانی، علامہ ابن حزم ظاہری۔ امام

احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ سفر کا روزہ شمار نہیں ہوگا۔ اس لئے اگر کوئی شخص رمضان میں حالت سفر میں روزہ رکھے تو بعد میں بھی اس کی قضاء واجب ہوگی۔ کیونکہ قرآن کریم کا حکم مسافر کے لئے یہی ہے کہ:۔

فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

یعنی رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر وہ اپنے قضا شدہ روزے پورے کرے۔

اور یہی مسلک جماعت احمدیہ کا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ تاہم بعض علمائے اُمّت اور فقہاء کے نزدیک سفر کا روزہ اگر رکھ لیا جائے تو شمار ہو جاتا ہے کالعدم نہیں ہوتا۔ اس مسلک کے قائلین میں امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ شامل ہیں۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص کے پاس سواری ہو جو اسے ایسے ٹھکانے پر پہنچا دے جہاں وہ سیر ہو کر کھانا کھا سکے تو وہ جہاں اور جس حالت میں بھی رمضان کا مہینہ پائے اس کے روزے رکھے۔ (ابو داؤد)

اس حدیث کی تشریح میں علماء و شارحین نے لکھا ہے کہ آرام دہ سواری کے باعث اگر سفر میں مشقت، تھکاوٹ اور تکلیف کم ہو اور سفر اتنا مختصر ہو کر دن بھر میں انسان ٹھکانے پر پہنچ جائے تو روزہ رکھ سکتا ہے لیکن افضل یہی ہے کہ روزہ نہ رکھے تاہم اس حدیث کی

روشنی میں روزانہ سفر کرنے والے اور پیشہ ور ملازموں کے بارہ میں سفر
میں روزہ رکھنے کا مسئلہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

اس مسئلہ پر مجلس افتاء میں جو تحقیق ہوئی وہ بھی پیش کی جاتی ہے۔
۱۴ جنوری ۱۹۶۶ء کے الفضل میں سفر میں روزہ سے متعلق ایک سوال
کا جواب کئی شقوں میں دیا گیا تھا۔ جن میں ایک شق یہ تھی کہ چونکہ سفر میں
روزہ نہ رکھنے کا حکم قصر نماز کی طرح خالص رعایت نہیں۔ بلکہ ایک
رنگ کا قرض ہے جسے بعد میں پورا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اس بات
کی اجازت اور رخصت دی گئی ہے کہ اگر کوئی سحری کھا کر گھر سے چلے
اور افطاری سے پہلے پہلے کسی دوسری ایسی جگہ پہ پہنچ جانے کا
گمان غالب ہو جو گھر یا بمنزلہ گھر کے ہے تو وہ شخص اپنے سفر میں روزہ
رکھ سکتا ہے۔ یعنی چاہے تو روزہ رکھے اور چاہے تو افطار کرے اور
پھر اس سفر سے واپس آکر رمضان کے بعد اس روزہ کی تکمیل کر لے نیز
ہر کہ طالب علم کا ہوسٹل۔ جماعتی مذہبی مرکز مثلاً مکہ۔ مدینہ یا ربوہ وغیرہ
جگہیں بھی ایک مومن کے لئے بمنزلہ گھر کے ہیں۔"

اس جواب کو پڑھ کر محترم و مکرم چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے
اپنا مندرجہ ذیل واقعہ لکھا کہ:۔

"میں لاہور سے رمضان کا روزہ رکھ کر قادیان گیا تھا۔ قادیان
عصر کے وقت پہنچا۔ سردیوں کا موسم تھا۔ عصر کی نماز میں شامل
ہو گیا۔ نماز کے معاً بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اگرچہ حضور کا یہ معمول نہ تھا کہ ناشتہ
وغیرہ کے متعلق دریافت فرماتے۔ مگر حضور نے از راہ شفقت
خاکسار کے لئے ناشتہ لانے کا خادم کو ارشاد فرمایا۔ خاکسار نے
نے عرض کیا۔ حضور میرا روزہ ہے۔ فرمایا۔ سفر میں روزہ؟ وہیں
ناشتہ منگوا کر روزہ کھلوا دیا۔ اگر قادیان جانا سفر میں شمار
ہو سکتا ہے تو ربوہ آنا کیونکر سفر میں شمار نہیں ہو سکتا۔"
مجلس افتاء کی مقرر کردہ سب کمیٹی نے دوران تحقیق حسب ذیل امور
مدنظر رکھے:۔

(۱) ارشادات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام:۔

حضرت اقدس...... سے دریافت کیا گیا کہ سفر کے لئے روزہ رکھنے
کا کیا حکم ہے؟

حضرت اقدس...... نے فرمایا کہ قرآن کریم سے تو یہی معلوم
ہوتا ہے کہ

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔

یعنی مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ اس میں امر ہے یہ اللہ تعالیٰ
نے نہیں فرمایا کہ جس کا اختیار ہو نہ رکھے۔ میرے خیال میں مسافر
کو روزہ نہ رکھنا چاہیئے۔ اور چونکہ عام طور پر اکثر لوگ رکھ لیتے ہیں
اس لئے اگر کوئی تعامل سمجھ کر رکھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ مگر عِدَّةٌ

مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے۔ سفر میں تکالیف اُٹھاکر جو انسان روزہ رکھتا ہے تو گویا اپنے زورِ بازو سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ اس کو اطاعتِ امر سے خوش نہیں کرنا چاہتا یہ غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت امر اور نہی میں سچا ایمان ہے۔"

(الحکم ۲۶ر جنوری ۱۸۹۹ء)

حضرت اقدس .... نے فرمایا کہ :۔

"جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہ صیام میں روزہ رکھتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے صریح حکم کی نافرمانی کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ بیمار اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ مرض سے صحت پانے اور سفر کے ختم ہونے کے بعد روزہ رکھے۔ خُدا کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ نجات فضل سے ہے۔ نہ کہ اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو لمبا بلکہ حکم عام ہے۔ اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے۔ تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا۔"

(بدر ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۷ء)

۲۔ روایات :۔

اس مسئلہ پر تحقیق کے دوران ۱۹۶۶ء میں الفضل میں اعلان کے ذریعہ احباب جماعت سے روایات جمع کی گئیں۔

۱۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں :۔

"بیان کیا مجھ سے عبداللہ صاحب سنوری ؓ نے اوائل زمانہ کی بات ہے کہ ایک دفعہ رمضان کے مہینہ میں کوئی مہمان یہاں حضرت صاحب کے پاس آیا اسے اس وقت روزہ تھا اور دن کا زیادہ حصہ گزر چکا تھا۔ بلکہ شاید عصر کے بعد کا وقت تھا۔ حضرت صاحب نے اسے فرمایا۔ آپ روزہ کھول دیں۔ اس نے عرض کیا کہ اب تھوڑا دن رہ گیا ہے اب کیا کھولنا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ آپ سینہ زوری سے خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سینہ زوری سے نہیں بلکہ فرمانبرداری سے راضی ہوتا ہے۔ جب اس نے فرما دیا ہے کہ مسافر روزہ نہ رکھے تو نہیں رکھنا چاہیئے۔ اس پر اس نے روزہ کھول دیا۔"

(سیرۃ المہدی حصہ اوّل روایت ۱۷۷)

۲۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ لاہور سے کچھ احباب رمضان میں قادیان آئے۔ حضرت صاحب کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ مع کچھ ناشتہ کے ان سے ملنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے۔ ان دوستوں نے عرض کیا کہ ہم سب روزے سے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ سفر میں روزہ ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رخصت پر عمل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ

ان کو ناشتہ کرواکے ان کے روزے تڑوا دیئے۔"

(سیرۃ المہدی حصہ دوئم صفحہ ۵۹ روایت نمبر ۳۰۸)

۳۔ مکرم اسد اللہ خان صاحب (سابق امیر جماعت احمدیہ لاہور)
بیان فرماتے ہیں:۔

"تقسیم ہند سے پہلے کے ایک رمضان کی بات ہے۔ میرا لڑکا اعجاز نصر اللہ خاں واقفین کلاس میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ اور میری لڑکی دینیات کلاسز میں تعلیم حاصل کرتی تھی۔ اور یہ دونوں بیت الظفر قادیان میں رہائش رکھتے تھے۔ ان کی والدہ بھی اُن کے پاس جس قدر وقت گزار سکتی تھیں گزارا کرتی تھیں۔ میں قریب ہر ہفتہ کے آخر پر قادیان جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں جمعہ کے روز رمضان میں دوپہر کے قریب کی گاڑی پر قادیان پہنچا اور میں لاہور سے سحری کھانے کے بعد چلا تھا۔ گویا روزہ شروع ہوچکا ہوا تھا۔ ریلوے سٹیشن قادیان سے سیدھا جمعہ کی نماز کے لئے مسجد اقصیٰ میں ہی چلا گیا۔ میں روزے سے تھا۔ نماز کے بعد حضرت سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ حضور نے دریافت فرمایا کس گاڑی سے آیا ہوں عرض کیا اسی دن دوپہر کے قریب والی گاڑی پر۔ حضور نے دریافت فرمایا "کھانا کھا لیا"۔ عرض کیا۔ حضور! میرا تو روزہ ہے۔ فرمایا آپ کا روزہ کس طرح جائز ہے"؟

خاکسار نے عرض کیا۔ حضور میرے بیوی بچے یہاں رہتے ہیں۔ یہاں بھی میرا گھر ہے اور لاہور میں مَیں خود رہتا ہوں۔ وہاں بھی میرا گھر ہے۔ وہاں سے سحری کے بعد چلا تھا یہاں افطاری سے قبل حاضر ہوگیا ہوں۔ حضور نے فرمایا دو جگہ آپ کا گھر کیسے ہوسکتا ہے؟ خاکسار نے عرض کیا "حضور! فرضی روزہ نہ ہوگا تو نفلی ہی ہو جائے گا"؟ اس پر حضور نے فرمایا۔ استغفر اللہ! جو روزہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں رکھا جائے وہ نفلی بھی کس طرح ہوسکتا ہے"۔ آپ جائیں روزہ کھول کر آئیں اور مجھے اطلاع دیں۔ اس پر مَیں نے روزہ کھولا اور قصرِ خلافت (حضور کے آفس۔ناقل) میں حاضر ہوکر اطلاع کی کہ مَیں نے روزہ کھول لیا ہے"۔

۴۔ مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب نائب ناظر بیت المال حضرت منشی ظفر احمد صاحب کی ایک روایت بیان کرتے ہیں:۔

" حضرت منشی ظفر احمد صاحب نے فرمایا کہ ماہِ رمضان میں ایک دوست قادیان تشریف لائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اندر سے شربت منگوایا تو اس دوست نے عرض کیا کہ روزہ رکھا ہوا ہے۔ حضور نے روزہ کھلوا دیا اور دو خادموں کو حکم دیا کہ مسجد اقصیٰ کے کنویں پر لے جاکر انہیں نہلائیں اور سر پر پانی کے کم از کم ایک سو بوکے ڈالیں۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کی

تعمیل کی گئی۔ وہ دوست بتاتے تھے کہ جب ان کے سر پہ پانی گرایا جا رہا تھا تو انہیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کے جسم سے آگ نکل رہی ہے۔ اگلے روز باہر سے خبر آئی کہ دو مسافر شدید گرمی اور پیاس کے باعث روزہ کی حالت میں جاں بحق ہو گئے۔ لیکن انہوں نے روزہ کھولنا گوارہ نہ کیا۔"

۵۔ مکرم مجیب الرحمٰن صاحب نے یہ روایت تحریر فرمائی :۔

"حضرت والد صاحب میاں حبیب الرحمٰن نے فرمایا کہ میں ایک بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں موؤدبانہ حاضر ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور میں روزہ کی حالت میں شام کے قریب حضور کے قیام گاہ پر پہنچا تھا۔ مجھ سے قبل حضرت منشی ظفر احمد رضؓ کپور تھلہ سے پہنچ چکے تھے (کپور تھلہ لودھیانہ سے قریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ہے) منشی ظفر احمد صاحب بھی روزہ کی حالت میں پہنچے تھے۔ حضور نے ان کا روزہ کھلوا دیا تھا۔ حضرت والد صاحب کے پہنچنے پر منشی صاحب موصوف نے حضور سے عرض کیا کہ میاں حبیب الرحمٰن صاحب روزہ سے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا۔ کچھ حرج نہیں جوان آدمی ہیں۔ چنانچہ والد صاحب نے روزہ پورا کیا۔ غالباً والد صاحب حاجی پور سے لودھیانہ گئے تھے جو ۱۶ ، ۱۷ میل کا فاصلہ ہے۔ منشی ظفر محمد صاحب کمزور اور دُبلے پتلے جسم کے تھے۔

اور والد صاحب صحت مند اچھے ڈیل ڈول کے تھے۔ ضمناً ایک اور بات بھی عرض کئے دیتا ہوں کہ قادیان میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں خاکسار پڑھا کرتا تھا۔ حضرت میر ناصر نواب (نانا جان) ...... رمضان کے قریب مجھے کہنے لگے کہ تم روزے نہ رکھنا۔ میں نے عرض کیا کہ میں روزہ رکھوں گا۔ میری عمر اس وقت ۱۳ - ۱۴ سال کی تھی۔ چاند رات کو نماز مغرب کے بعد خاکسار مسجد مبارک قادیان میں حاضر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں رمضان کے متعلق تذکرہ ہو رہا تھا۔ حضرت میر صاحب نے مجھے بازو سے پکڑ کر حضور کے سامنے کھڑا کر دیا اور عرض کیا کہ حضور یہ لڑکا کہتا ہے کہ میں روزہ رکھوں گا۔ حضورؑ نے خاکسار کو دو بار اُوپر سے نیچے تک دیکھا اور خاموش رہے (طالبعلمی کے زمانے میں خاکسار دُبلا پتلا نحیف الجثہ تھا) اس کے بعد تمام رمضان کے روزے میں نے بورڈنگ میں رکھے اور حضرت میر صاحب نے باوجود علم ہونے کے پھر کبھی مجھے روزہ رکھنے سے منع نہیں فرمایا۔ خاکسار نے حضرت اقدس کے دستِ مبارک پر قادیان میں سنہ ۱۸۹۰ء میں بیعت کی تھی۔ اور حضور سے والد صاحب نے پہلے سے اجازت لے لی تھی اور بیعت کے وقت مغرب کی نماز کے بعد بیعت کیلئے بلا کر خاکسار کی بیعت لے لی تھی۔

۳۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادات :۔

ایک سوال پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس...... نے روزہ کے متعلق یہ فتویٰ دیا ہے کہ :۔

"مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا"۔ ادہر الفضل میں میرا اعلان شائع کیا گیا ہے۔ کہ وہ احمدی احباب جو جلسہ سالانہ پر آئیں وہ روزے رکھ سکتے ہیں۔ مگر جو نہ رکھیں اور بعد میں رکھیں ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ایک فتویٰ حضرت اقدس...... کا میری روایت سے چھپا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ زمانہ خلافت کے پہلے ایام میں روزہ رکھنے سے میں منع کیا کرتا تھا کیونکہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا تھا کہ آپ مسافر کو روزہ رکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ مرزا یعقوب بیگ صاحب رمضان میں آئے اور انہوں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ لیکن عصر کے وقت جبکہ وہ آئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کہکر روزہ کھلوا دیا کہ سفر میں روزہ رکھنا ناجائز ہے۔ اس پر اتنی لمبی بحث اور گفتگو ہوئی کہ حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب...... نے سمجھا کہ شاید کسی کو ٹھوکر لگ جائے اس لئے آپ ابن عربی کا ایک حوالہ دوسرے دن تلاش کر کے لائے کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں۔

اس واقعہ کا مجھ پر اتنا اثر تھا کہ میں سفر میں روزہ رکھنے سے روکتا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک رمضان میں مولوی عبداللہؓ صاحب سنوری یہاں رمضان گزارنے کے لئے آئے تو انہوں نے کہا میں نے سُنا ہے کہ آپ باہر سے یہاں آنیوالوں کو روزہ رکھنے سے منع کرتے ہیں مگر میری روایت ہے کہ یہاں ایک صاحب آئے اور انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کیا کہ مجھے یہاں ٹھہرنا ہے اس دوران میں میں روزے رکھوں یا نہ رکھوں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ ہاں آپ روزے رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ قادیان احمدیوں کے لئے وطن ثانی ہے۔ گو مولوی عبداللہ صاحب مرحوم حضرت اقدس کے بڑے مقرب تھے مگر میں نے صرف آپ کی روایت کو قبول نہ کیا اور لوگوں کی اس بارہ میں شہادت لی تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ قادیان کی رہائش کے ایام میں روزہ رکھنے کی اجازت دیتے تھے۔ البتہ آنے اور جانے کے دن روزہ رکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس وجہ سے مجھے پہلا خیال بدلنا پڑا۔

(الفضل ۴ جنوری ۱۹۲۲ء)

"سفر کے متعلق میرا عقیدہ اور خیال یہی ہے۔ ممکن ہے بعض فقہا کو اس سے اختلاف ہو کہ جو سفر سحری کے بعد شروع ہو کر

شام کو ختم ہو جائے۔ وہ روزہ کے لحاظ سے سفر نہیں سفر میں روزہ رکھنے سے شریعت روکتی ہے۔ مگر روزوں میں سفر کرنے سے نہیں روکتی۔ پس جو سفر روزہ رکھنے کے بعد سے شروع ہو کر افطاری سے پہلے ختم ہو جائے وہ روزہ کے لحاظ سے سفر نہیں روزہ میں سفر ہے۔ سفر میں روزہ نہیں۔" (الفضل ۲۵ ستمبر ۱۹۴۲ء)

ان حوالہ جات کی روشنی میں سب کمیٹی نے جو رپورٹ پیش کی اسے مجلس افتاء نے معمولی تبدیلی کے ساتھ منظور کیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے اس پر توثیقی دستخط ثبت فرمائے روزنامہ الفضل میں یہ فیصلہ "سفر میں روزہ کیسے رکھے" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سفر میں روزہ رکھنے کو حکم عدولی قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔ "مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا" حضور کا یہ فیصلہ آیت قرآنی فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ پر مبنی ہے۔ اور احادیث نبوی کے مجموعی مفہوم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی حالت میں رمضان میں روزہ رکھنے والوں کو عصاۃ قرار دیا ہے۔ جن احادیث سے رخصت معلوم ہوتی ہے امام

زہری نے ان احادیث کو پہلے کی قرار دیا ہے۔

۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے باہر سے آنے والے احمدیوں کے لئے قادیان کو وطن ثانی قرار دیا ہے اسلئے وہ وہاں قیام کے دوران میں روزہ رکھ سکتے ہیں اور اگر نہ رکھیں تب بھی جائز ہے۔

۳۔ وطن ثانی کی طرف سفر بھی سفر ہی ہے اسلئے روزہ رکھنا جائز نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کا تعامل اسی کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے افطاری کے وقت سے پہلے قادیان آنیوالے روزہ داروں کا روزہ کھلوا دیا تھا۔

۴۔ نفلی روزہ سفر کی حالت میں جائز ہے۔

۵۔ وہ تمام لوگ جن کی ڈیوٹی ہی سفر سے متعلق ہو جیسے ریلوے گارڈ۔ ڈرائیور۔ پائیلٹ۔ سفری ایجنٹ۔ دیہاتی ہرکارے وغیرہ مقیم کے حکم میں ہوں گے اور رمضان کے روزے رکھیں گے۔"

(دستخط مرزا ناصر احمد)

مزید برآں سفر میں روزہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں ان میں حسب ذیل طریق اختیار کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ سحری کے بعد گھر سے سفر شروع ہو اور افطاری سے پہلے ختم ہونے

کا ظن غالب ہو تو روزہ رکھا جا سکتا ہے - کیونکہ یہ روزہ کے لحاظ سے سفر نہیں - اور روزہ میں ایسا معمولی سفر کیا جا سکے تو حرج نہیں -

۲ - اگر سفر جاری ہے پیدل یا سواری پر روزہ نہ رکھے -

۳ - سفر میں دن بھر کسی جگہ قیام ہے تو روزہ رکھا جا سکتا ہے - یعنی رکھنے اور نہ رکھنے دونوں کی اجازت ہے -

۴ - کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنا ہو تو وہاں سحری کا انتظام کیا جائے اور روزہ رکھا جائے ۔

۹

روزہ کی برکات

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّکُمْ یَقُوْلُ کُلُّ حَسَنَۃٍ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ وَالصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ وَالصَّوْمُ جُنَّۃٌ مِنَ النَّارِ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ -

(ترمذی ابواب الصوم)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - تمہارا رب فرماتا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے اور روزہ کی عبادت تو خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزاء دوں گا - یا میں خود اس کا بدلہ ہوں اور روزہ آگ سے بچانے کے لئے ڈھال ہے اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے -

تشریح:۔ قرآن شریف میں روزہ کی برکات کا تذکرہ وَاَنْ تَصُوْمُوْا
خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ: ۱۸۵) کے الفاظ
میں کیا گیا ہے۔ کہ اگر تم علم رکھتے ہو تو تمہارا روزے رکھنا تمہارے
لئے بہتر ہے۔

روزہ اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے ایک منفرد عبادت
ہے۔ حضرت ابو امامہؓ نے ایک دفعہ حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی
نصیحت ارشاد فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا۔ روزے رکھا کرو کیونکہ اس
جیسی کوئی چیز نہیں۔ (نسائی)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عبادت کی کوئی ظاہری شکل ہے جس سے
اس کا پتہ چل جاتا ہے مگر روزہ کا تعلق صرف دل کی نیت سے ہے
جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا جس میں ریاء کا شائبہ تک نہیں۔
اور یہ ایک ایسی عبادت ہے جو دوسری تمام عبادتوں اور نیکیوں کو جمع
کرنے والی ہے۔ گویا جامع الخیرات ہے۔ پھر روزہ کی حالت میں
انسان محض خدا کی خاطر حلال چیزوں سے بھی رُک جاتا ہے جو صبر کا اعلیٰ
مقام ہے۔ ان خصوصیات کی بناء پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر عمل کا
اجر اور ثواب خدا نے فرشتوں کے سپرد کر رکھا ہے۔ جو دس گنا
سے سات سو گنا تک ثواب دیتے ہیں۔ سوائے روزہ کے کیونکہ میرا
بندہ روزہ میں میرے حکم کی خاطر اور میری رضا کے لئے اپنی خواہشات
چھوڑ دیتا ہے۔ اس لئے انسان کا ہر عمل اس کے اپنے لئے ہے لیکن

روزہ کا معاملہ اور اس کے اجر و ثواب کا تعلق بھی میری ذات
سے ہے اور اس کا اجر بے حد و حساب ہے جو میں ہی جانتا
ہوں اس لئے میں خود یعنی بغیر کسی واسطہ کے اس کی جزا اپنے بندہ
کو دوں گا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ بغیر ریاء کے جو روزہ رکھتا
ہے میں اس کی جزا بن جاتا ہوں۔ (جامع الصغیر)

بعض روایات میں اَجْزِیْ بِہٖ کے الفاظ ہیں کہ روزہ دار کی جزا
میں خود ہوں گا۔ یعنی روزہ کے نتیجہ میں دیدارِ الٰہی اور وصالِ ربّ العزّت
روزہ دار کو نصیب ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ روزہ دار کے لئے دو
خوشیاں مقدّر ہیں ایک خوشی اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ
روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری خوشی اس وقت ہوگی جب روزہ
کی وجہ سے اپنے رب سے وہ ملاقات کرے گا۔ (بخاری)

روزہ کی بہت برکات ہیں۔ حضرت سہیلؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جسے "ریّان"
کہتے ہیں۔ (ریّان کے معنے ہیں سیراب کرنے والا) اس میں سے
قیامت کے دن روزہ دار جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے علاوہ
کوئی اور اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس دن اعلان
کیا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ تب روزہ دار کھڑے ہوں گے اور
اس دروازے سے ان کے علاوہ اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ پھر جب وہ
داخل ہو جائیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ (بخاری)

اور دوسری روایت میں ذکر ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مجلس میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ جن میں سے جنتیوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ نمازیوں کو نماز کے دروازے سے، جہاد کرنے والوں کو جہاد کے دروازہ سے، صدقہ کرنے والوں کو صدقہ کے دروازہ سے اور روزہ داروں کو باب الریّان سے آواز آئے گی کہ اے اللہ کے بندو! یہاں تمہارے لئے خیر و بھلائی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی کہ اے خدا کے رسول! جس شخص کو کسی ایک دروازے سے بھی جنت میں پکارا جائے اسے کسی دوسرے دروازے کی ضرورت تو نہیں۔ لیکن کوئی ایسا خوش قسمت بھی ہوگا جسے جنت کے سارے دروازوں سے داخل ہونے کے لئے بلایا جائے گا۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ اے ابوبکرؓ! میں اُمید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہوگا۔ جن کو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ (بخاری)

روزہ داروں کے جنت کے دروازہ باب الریّان کے بارہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس میں سے داخل ہوگا اسے کبھی پیاس نہیں ہوگی۔ ریّان کے معنے سیرابی کے ہیں اور شاید اس میں یہ حکمت ہے کہ جس بندہ نے خدا کی خاطر دنیا میں پیاس برداشت کی خدا اسے ہمیشہ کے لئے سیراب کرے گا۔ ایک اور حدیث میں آنحضورؐ نے روزِ محشر کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنی اُمت کے ایک شخص

کو اس حال میں دیکھا کہ پیاس سے بے حال ہو کر زبان باہر نکال رہا تھا۔ اسی وقت اس کے پاس رمضان کے روزے آئے۔ اور اس کی پیاس بجھائی۔ (طبرانی بحوالہ جامع الصغیر)

پس اگر انسان اخلاص و ایمان سے خُدا کی خاطر روزے رکھے تو اس کے لئے بڑا ثواب ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ خُدا کی راہ میں ایک دن روزہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ایک دن کے روزہ کے بدلہ میں ستّر سال تک اس کے چہرے سے آگ کو دُور کر دیتا ہے۔

(مسلم۔ ابن ماجہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ خُدا کی خاطر ایک دن کا روزہ رکھنے والے سے جہنم سو سال دُور کر دی جاتی ہے۔ (نسائی)

روزہ دار کا یہ اجر و ثواب خُدا کی خاطر اس کے صبر و برداشت کی وجہ سے ہے۔ حضرت اُمّ عمارہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کے پاس جب کوئی بے روزہ کھانا کھائے تو فرشتے روزہ دار کے لئے اس وقت تک دعائیں کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے۔

(ترمذی۔ مسند احمد)

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلالؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حضورؐ صبح کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ حضورؐ نے

فرمایا۔ بلال! آؤ کھانا کھائیں۔ حضرت بلال رضؓ نے جواب دیا۔ خُدا کے رسُول! مجھے روزہ ہے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم جنت میں اپنا رزق بھی کھائیں گے اور بلال رضؓ کا بچا ہُوا بھی۔ پھر فرمایا۔ اے بلال رضؓ! جانتے ہو روزہ دار کی ہڈیاں بھی تسبیح کرتی ہیں اور جب اس کے پاس کھانا کھایا جائے تو فرشتے اس کے لئے بخشش کی دُعا کرتے ہیں۔ (بیہقی)

روزہ کی بہت برکات ہیں۔ یہ سنّت انبیاء ہے اور اسلام کی تاریخ کا نقطۂ آغاز ہی روزہ ہے۔ ابن اسحاق رضؓ کی روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان کے مہینہ میں غارِ حرا میں روزہ کے ساتھ اعتکاف کرتے تھے۔ یہاں تک ایک سال آپ اپنے دستور کے مطابق اعتکاف میں تھے کہ حضرت جبریلؑ آپ کے پاس آئے اور پہلی وحی آپ پر نازل ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے روزہ کی تاثیرات و برکات کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"ایک مرتبہ ایّام جوانی میں ایسا اتفاق ہُوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کرکے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنّت خاندان نبوّت ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس سنتِ اہلبیت رسالت کو بجالاؤں۔ میں نے روزیا

مذکورہ بالا کے موافق چھ ماہ تک برابر مخفی طور پر روزوں کا التزام کیا۔ اس اثناء میں عجیب عجیب مکاشفات مجھ پر کھلے۔ بعض گذشتہ نبیوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس امّت میں گذر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع حسین و علی رضی اللہ عنہم و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا اور یہ خواب نہ تھی بلکہ بیداری کی ایک قسم تھی۔ غرض اس طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ سبز و سُرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے تھے جن میں سے بعض چمکدار اور بعض سبز و سُرخ تھے ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذّت نہیں ہوتی جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت آتی ہے۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خُدا اور روزہ کی محبّت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اُوپر سے نازل ہُوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دنیا

کی آنکھوں سے بہت دُور ہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔" (کتاب البریہ صفحہ ۱۹۵ تا ۱۹۷)

روزوں کے روحانی فوائد اور برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے انسان خدا تعالیٰ سے مشابہت اختیار کر لیتا ہے۔ بیشک انسان کھانا پینا اور سونا بالکل تو نہیں چھوڑ سکتا تاہم رمضان میں ایک حد تک ان کو چھوڑ کر اور نیند میں کمی کر کے اللہ تعالیٰ سے ایک قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کا اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ درجہ کا اتصال ہو جاتا ہے اور خُدا خود اس کا محافظ بن جاتا ہے پھر روزہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا الہام انسانی دل پر نازل ہوتا ہے اور کشفی نگاہ میں زیادہ نور پیدا ہوتا ہے۔ انسان خُدا کیلئے کھانا پینا چھوڑ کر ثابت کرتا ہے کہ وہ اس کے لئے مرنے کو بھی تیار ہے۔ اور اس طرح اس قربانی سے خُدا تعالیٰ کے لقاء کا مستحق ہوتا ہے۔ پھر رمضان کے ذریعہ استقلال کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ غریبوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ وقت کی پابندی کا احساس ہوتا ہے۔ ایک مہینہ تک جائز حقوق کو چھوڑ کر ناجائز حقوق اور حرام چیزوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے۔ اور نیکیوں کی عادت پڑتی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"غرض رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص برکات اور خاص رحمتیں لیکر آتا ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسان کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں۔۔۔

۔۔۔ لیکن یہ بھی اس کے احسانات میں سے ہی ہے کہ اس نے رمضان کا ایک مہینہ مقرر کر دیا تاکہ وہ لوگ جو خود نہیں اُٹھ سکتے ان کو ایک نظام کے ماتحت اُٹھنے کی عادت ہو جائے اور ان کی غفلتیں ان کی ہلاکت کا موجب نہ ہوں۔"

(تفسیر کبیر سورۃ البقرہ صفحہ ۳۸۲)

(۱۰) رمضان المبارک اور قرآن کریم

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِي رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ وَكَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى يَنْسَلِخَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ۔

(بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینہ میں عام معمول سے بھی زیادہ سب سے بڑھ کر سخاوت فرماتے تھے اور جبریل رمضان میں ہر رات آپؐ سے آکر ملاقات کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبریلؑ کو قرآن سُناتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ جبریلؑ

تمام قرآن کریم کا آپ کے ساتھ مل کر دَور کیا کرتے تھے۔ (یعنی ایک دوسرے کو قرآن سُناتے تھے) ان دنوں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارش لانے والی ہوا سے بھی اپنے جود و کرم میں بڑھ جاتے تھے۔

تشریح:۔ رمضان کا مہینہ ان مقدس ایام کی یاد دلاتا ہے جن میں قرآن کریم جیسی کامل کتاب کا دُنیا میں نزول ہوُا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

اس کے ایک معنے تو یہ ہیں۔ رمضان کے مہینے میں قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوُا۔ چنانچہ حدیثوں سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ لیکن محدثین عام طور پر ۲۴ تاریخ کی روایت کو مقدم بتاتے ہیں چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ زرقانیؒ نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے کہ قرآن ۲۴ رمضان کو اترنا شروع ہُوا۔

(زرقانی شرح مواہب اللدنیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰)

دوسرے معنے اس آیت کے یہ ہیں کہ رمضان میں پُورا قرآن اُتارا گیا۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جبریلؑ ہر سال رمضان کے مہینہ میں تمام قرآن کریم کا میرے ساتھ ایک دفعہ دور کیا کرتے تھے مگر اس سال انہوں نے دو دفعہ دَور کیا ہے جس سے میں سمجھتا ہوں کہ اب میری وفات کا وقت قریب ہے۔ (زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۵)

پس بے شک رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی قرآن نازل ہوُا ہے مگر رمضان المبارک کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں جس حد تک قرآن کریم نازل ہو چکا ہوتا تھا جبریلؑ اس کا رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر دَور کیا کرتے تھے گویا دوسرے الفاظ میں دوبارہ تمام قرآن کریم آپ پر نازل کیا جاتا۔ پس اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ سارا قرآن کریم ہی رمضان میں نازل ہُوا۔

ان دونوں معنوں کے لحاظ سے رمضان کا قرآن کریم سے تعلق صاف ظاہر ہے اور اس سے رمضان المبارک کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔

بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ رمضان کا مہینہ قرآن کریم کی سالگرہ کا مہینہ ہے۔ پس خدا کے اس مقدس کلام کے شایان شان سالگرہ منانی چاہیئے۔ اور قرآن عظیم کی سالگرہ یہی ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے۔ اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق حاصل کی جائے۔ چاہیئے کہ ہر رمضان میں کم از کم ایک مرتبہ تو قرآن کریم کا دَور ضرور مکمل کیا جائے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جبریلؑ کے ساتھ دَور کرنے کی آخری سنت تو دو مرتبہ ختم قرآن کی ہے۔ اس پر عمل کرنا اور زیادہ باعثِ ثواب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کے ساتھ دَور کرنے کے علاوہ بھی بہت قرآن پڑھتے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ ایک رات میں سارا قرآن پڑھ لیتے

تھے اور فرماتی ہیں کہ رمضان کے علاوہ میرے علم میں نہیں کبھی ایک رات میں سارا قرآن آپؐ نے پڑھا ہو۔ (نسائی)

عام حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن یا رات میں قرآن ختم کرنے سے منع کیا ہے۔ اور کم از کم تین دن اور بعض روایات میں سات دن مقرر فرمائے ہیں کہ ان میں قرآن ختم کیا جائے (بخاری)

ایک رات میں خود حضورؐ کے قرآن ختم کرنے کا واقعہ اس ارشاد کی روشنی میں یا تو اس سے پہلے کا سمجھا جائے گا اور یا پھر یہ رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہوگی۔ عام مسلمانوں کے لئے یہی حکم ہے کہ کم سے کم تین دنوں میں قرآن ختم کرسکتے ہیں۔

رمضان میں قرآن کریم کی اس تلاوت کا خدا کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ حدیث میں عبد اللہؓ بن عمرو کی روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن روزے اور قرآن بندے کے لئے شفاعت کریں گے (یعنی خدا تعالیٰ سے سفارش کریں گے) روزہ کہے گا اے میرے ربّ! میں نے اس شخص کو (رمضان میں) دن کے وقت کھانے پینے اور شہواتِ نفسانی سے روکا تھا (یہ رُک گیا تھا) پس میری سفارش اس کے بارہ میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا اے میرے ربّ! میں نے اس شخص کو رات سونے سے روک دیا تھا۔ (یہ راتوں کو اُٹھ کر قرآن پڑھتا تھا) پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول

فرما۔ پس ان دونوں کی یہ سفارش قبول کی جائے گی (اور اس شخص کو بخش دیا جائے گا)۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"پس رمضان کلام الٰہی کو یاد کرانے کا مہینہ ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مہینہ میں قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنی چاہیئے۔ اور اسی وجہ سے ہم اس مہینہ میں درس قرآن کا انتظام کرتے ہیں۔ دوستوں کو چاہیئے کہ اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کیا کریں اور قرآن کریم کے معانی پر غور کیا کریں۔ تاکہ ان کے اندر قربانی کی روح پیدا ہو جس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔"

(تفسیر کبیر سورۃ البقرہ ص ۳۹۳)

۱۱

نماز تراویح

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یُصَلِّ بِنَا حَتّٰی بَقِیَ سَبْعٌ مِنَ الشَّهْرِ فَقَامَ بِنَا حَتّٰی ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ ثُمَّ لَمْ یَقُمْ بِنَا فِی السَّادِسَةِ وَقَامَ بِنَا فِی الْخَامِسَةِ حَتّٰی ذَهَبَ شَطْرُ اللَّیْلِ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا بَقِیَّةَ لَیْلَتِنَا هٰذِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ مَنْ قَامَ مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ کُتِبَ لَهٗ قِیَامُ لَیْلَةٍ ثُمَّ لَمْ یُصَلِّ بِنَا حَتّٰی بَقِیَ ثَلٰثٌ مِنَ الشَّهْرِ وَصَلّٰی بِنَا فِی الثَّالِثَةِ وَدَعَا اَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ فَقَامَ بِنَا حَتّٰی تَخَوَّفْنَا الْفَلَاحَ قُلْتُ لَهٗ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السُّحُوْرُ۔

(ترمذی ابواب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک رمضان المبارک کا ذکر فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حسب معمول)

۲۲ رمضان تک ہمیں رات کو باجماعت نوافل نہیں پڑھائے۔ تئیسویں رمضان کی رات حضورؐ نے ہمیں باجماعت نوافل پڑھائے اور رات کے ثلث اوّل (یعنی پہلی تہائی۔ آج کل کے وقت کے لحاظ سے قریباً دس بجے تک) نماز پڑھاتے رہے۔ چوبیسویں رمضان کو حضورؐ نے ہمیں باجماعت نوافل نہیں پڑھائے۔ پھر پچیسویں رات رمضان کو حضورؐ نے باجماعت نفل نماز نصف رات تک (قریباً بارہ ایک بجے تک) پڑھائی ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ ہمیں باقی رات میں بھی نفل نماز پڑھا دیتے۔ تو آپؐ نے فرمایا جو شخص امام کے ساتھ رات کو نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے اور امام کے سلام پھیرنے تک اس کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اس کے لئے ساری رات کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ پھر آنحضورؐ نے ہمیں چھبیسویں رمضان کو باجماعت نماز نہیں پڑھائی۔ یہاں تک کہ رمضان میں تین دن باقی رہ گئے تو ستائیسویں کو پھر آپ نے باجماعت نماز پڑھائی اور اپنے گھر والوں اور عورتوں کو بھی بلا کر اس میں شامل فرمایا اور اتنی دیر تک پڑھاتے رہے کہ ہمیں فجر کے طلوع ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔

تشریح:۔ تراویح ترویحۃ کی جمع ہے جس کے معنے بیٹھنے کے ہیں پھر رمضان کی راتوں میں چار رکعات نفل کے بعد آرام کے لئے جو وقفہ کیا جاتا تھا اس کے لئے یہ لفظ استعمال ہونے لگا اور ان نوافل کو تراویح کہا جانے لگا۔

قیام اللیل کی ایک صورت نماز تراویح ہے۔ جو اس لئے شروع کی گئی تاکہ معذور اور کمزور لوگ جو صبح کے وقت تہجد پر اُٹھ نہیں سکتے اور ان کو زیادہ قرآن بھی یاد نہیں کہ نماز تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کر سکیں۔ ایسے لوگوں کی سہولت کے لئے تراویح کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چونکہ قیام اللیل کی گیارہ رکعات (آٹھ نوافل اور تین وتر) ثابت ہیں اس لئے ہمارے ہاں حضرت عائشہؓ کی اس روایت کی روشنی میں کہ رمضان و غیر رمضان میں آنحضورؐ گیارہ رکعات ہی پڑھتے تھے۔ یہی طریق ہے کہ گیارہ رکعات تراویح میں پڑھی جاتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ذکر آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک رمضان میں تین دن نماز عشاء کے بعد گیارہ رکعات پڑھیں۔

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ اس واقعہ کی تفصیل بیان فرماتی ہیں۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نوافل پڑھے تو کچھ لوگ بھی آپ کی اقتداء میں اس نماز میں شامل ہو گئے اور آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اگلی صبح لوگوں نے ایک دوسرے کو رات کا واقعہ بتایا۔

چنانچہ دوسری رات حاضری بڑھ گئی اور پہلے دن سے زیادہ لوگ آنحضورؐ کے ساتھ نوافل میں شامل ہوئے۔ دوسرے دن پھر لوگوں نے مسجد میں اس واقعہ کا ذکر کیا۔ تیسری رات حاضری اور زیادہ ہو گئی اور

اور چوتھی رات تو حاضری کا یہ حال تھا کہ مسجد نمازیوں کے لئے تنگ ہو گئی لیکن آنحضورؐ نماز پڑھانے تشریف نہیں لائے۔ بعض لوگ بلند آواز سے نماز نماز کہہ کر آنحضورؐ کو بلانے کی کوشش کرتے رہے لیکن آپ تشریف نہ لائے۔ نماز فجر کی ادائیگی کے لئے جب حضور تشریف لائے تو نماز کے بعد فرمایا۔ رات کو باجماعت نوافل کی ادائیگی کے لئے تمہارے آنے اور انتظار کرنے کا مجھے علم ہو گیا تھا۔ لیکن میں اس اندیشہ سے رُک گیا کہ مبادا رات کی نماز کو فرض قرار دے دیا جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ۔ (مسلم)

یعنی رسول اللہؐ کی معیت میں التزام کے ساتھ رات کے نوافل ادا کرنے سے اگر امت اُسے مسلمانوں پر واجب سمجھ کر اس پر عمل شروع کر دیتی تو عام لوگوں کے لئے اس کی ادائیگی مشکل ہو جاتی۔ اس لئے شفقت علی الامت کے خیال سے آنحضورؐ اس سے رُک گئے۔ تاہم اس سے رمضان میں رات کے قیام کی سنت بہر حال قائم ہو گئی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ (نسائی)

کہ رمضان کی راتوں میں عبادت کی سنت میں نے تمہارے لئے قائم کر دی ہے۔

اسی سنت کے مطابق مذکورہ پس منظر میں تراویح کا موجودہ طریق حضرت عمرؓ کے زمانہ میں باقاعدہ طور پر شروع ہوا۔ جس کے مطابق عشاء کے بعد قرآن کریم کی تلاوت نوافل میں کی جاتی ہے۔

حضرت ابن شہاب زہری تابعی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ رمضان میں قیام اللیل عام طور پر انفرادی عبادت کے طور پر ادا کی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں یہی طریق رہا۔

اس کے بعد کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کی ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں نکلے۔ مسجد نبوی کی طرف تشریف لے گئے۔ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا۔ لوگ مسجد میں مختلف گروہوں اور ٹولیوں کی صورت میں نوافل پڑھ رہے تھے۔ کہیں اکیلا آدمی کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو کہیں کچھ لوگ باجماعت نوافل ادا کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری (حافظ) کے پیچھے جمع کردوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اور پھر آپؓ نے یہ فیصلہ فرمادیا۔ اور حضرت ابیؓ بن کعبؓ کو جو قرآن کریم کے بڑے اچھے حافظ اور قاری تھے۔ نماز تراویح کے لئے امام مقرر فرمایا۔

اس واقعہ کے راوی حضرت عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ پھر اس واقعہ کے بعد ایک اور رات کا ذکر ہے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ میں نکلا تو لوگ ایک قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ نئی تجویز کتنی اچھی ہے۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا۔ وہ عبادت جس سے تم رات کے آخری حصہ میں سوئے ہوتے ہو وہ اس سے افضل ہے جو تم اب ادا کر رہے

ہو۔ حضورؓ کی مراد آخری رات میں نماز تہجد ادا کرنے سے تھی اور لوگ رات کے پہلے حصہ میں نوافل پڑھتے اور تراویح میں قرآن سنتے تھے۔

(بخاری)

اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ راشد نے امت پر شفقت فرماتے ہوئے ایک نسبتاً سہولت کا انتظام ان کے لئے کر دیا کہ جن لوگوں کے صبح تہجد میں باقاعدگی سے بیدار ہونا مشکل ہے اور قرآن کریم بھی زیادہ یاد نہیں کہ وہ اس میں تلاوت کر سکیں۔ ان کے لئے یہ انتظام نہایت عمدہ کردیا کہ قرآن کریم ایک قاری سے سُن سکیں۔ اور ظاہر ہے قرآن کریم کا سُننا بھی اتنا ہی باعثِ ثواب ہے جتنا اُس کا پڑھنا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُبَیّ بن کعبؓ سے کہہ کر قرآن سُنا کرتے تھے۔ اور خود ان کو بھی سناتے تھے۔ اور جبریلؑ کے ساتھ بھی آپ قرآن کریم کا دَور فرمایا کرتے تھے۔ یعنی قرآن کریم سنتے بھی تھے اور سناتے بھی تھے۔ اس لحاظ سے نماز تراویح میں یہ حُسن ہے کہ قرآن کا دَور اس میں مکمل ہوجاتا ہے اور قرآن سُنا جاتا ہے تاہم اپنے وقت کے لحاظ سے افضل نماز تہجد ہی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ رمضان شریف میں رات کو اٹھنے اور نماز پڑھنے کی تاکید ہے لیکن عموماً محنتی مزدور زمیندار لوگ جو ایسے اعمال کے بجالانے میں غفلت دکھاتے ہیں۔

اگر اول شب میں ان کو گیارہ رکعت تراویح بجائے آخر شب کے پڑھا دی جائے تو کیا یہ جائز ہوگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

"کچھ حرج نہیں۔ پڑھ لیں" (بدر ۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۶ء)

جماعتِ احمدیہ میں تراویح کی آٹھ رکعات اور تین وتر کل گیارہ ادا کی جاتی ہیں۔

اسی طرح اہل حدیث بھی اسی پر عمل کرتے ہیں کہ اصل عبادت یہ رات کے آخری حصہ کی ہے۔ جو آنحضورؐ سے گیارہ رکعت ثابت ہے۔ لیکن چونکہ یہ نفل عبادت ہے اس لئے ان میں اضافہ بھی باعث ثواب ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں روایات کے مطابق بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ اور ہماری جماعت میں بعض اوقات بیس رکعت بھی پڑھی گئی ہیں۔ یہی مذہب امام ابوحنیفہ امام شافعی وغیرہ کا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ سے ۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۷ء کو درس قرآن کے بعد ایک نووارد صاحب نے استفسار کیا کہ نماز تراویح کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت حکیم الامتؓ نے فرمایا:۔

"میرے خیال میں ماہ رمضان میں ایک تو روزوں کا حکم ہے۔ دوسرے حسب طاقت دوسرے کو کھانا کھلانے کا۔ تیسرے تدارس قرآن کا۔ چوتھے قیام رمضان کا یعنی نماز میں معمول سے زیادہ کوشش کرنا۔ صحابہ میں تین

طریقے قیام رمضان کے رائج تھے۔ بعض تو بیس رکعتیں باجماعت پڑھتے تھے۔ بعض آٹھ رکعتیں اور بعض صرف تہجد گھر میں پڑھ لیتے۔ اس پر نووارد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو نماز تراویح کا پڑھنا تین چار دن سے زیادہ ثابت نہیں ہوتا اس لئے بعض لوگ اسے بدعت عمریؓ کہتے ہیں۔ حضرت حکیم الامتؓ نے فرمایا۔ خواہ آنحضرت نے صرف ایک دن ہی نماز تراویح پڑھی ہو اول سنت تو ہوگئی۔ دوم۔ ترک کرنے سے سنت تو نہیں ٹوٹتی"۔

(مجموعہ فتاوی احمدیہ ص۱۷۶-۱۷۷ حاشیہ)

(۱۲)

روزہ اور دُعا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهٖ لَدَعْوَةً مَّا تُرَدُّ۔

(ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ دار کے لئے اس کی افطاری کے وقت ایک دُعا ایسی ہے جو ردّ نہیں کی جاتی۔

تشریح:۔ بعض اوقات بھی اپنے اندر خاص تاثیرات رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک رمضان کے ایّام میں افطاری کا وقت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ روزانہ افطاری کے وقت اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو آگ سے بری قرار دیتا ہے۔ (ابن ماجہ)

یہ ایسا بابرکت وقت ہے کہ روزہ دار کا دل یوں بھی اس وقت ایک خاص سرور کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ خصوصاً اس خیال سے کہ خدا کی خاطر مجھے سارا دن بھوکا پیاسا رہنے اور اس کی

رضا کے لئے بُری باتوں سے بچنے کی توفیق ملی۔ انسان کے قلب پر ایک خاص کیفیتِ امتنان اور سوز و گداز اور رقّت و حضورِ قلب کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں جو دُعا کی جائے ضرور قبول ہوگی۔ جب کہ وقت بھی ایسا بابرکت ہو اور طبیعت میں بھی اضطرار کی جملہ کیفیّات پائی جائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ ہر افطاری کے وقت روزہ دار کی ایک دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

دُعا اور روزہ کا باہم گہرا ربط ہے یسعیاہ نبی نے اپنے پیروؤں کو یہی کہا کہ تم پوری شرائط کے ساتھ روزہ نہیں رکھتے کہ تمہاری آواز عالم بالا پر سُنی جائے۔ (یسعیاہ باب ۵۸ آیت ۴)

گویا کامل روزہ کا ایک نتیجہ قبولیّت دُعا ہے۔

روزہ اور دُعا سے اور بھی کئی کرامات و برکات حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کے حواری ایک دفعہ جب ایک بدروح کو نہ نکال سکے تو انہوں نے حضرت مسیح سے اس کی وجہ پوچھی لکھا ہے:۔

"اس کے شاگردوں نے تنہائی میں اس سے پوچھا ہم اسے کیوں نہ نکال سکے تو اس نے ان سے کہا کہ یہ قسم دُعا اور روزہ کے سوا کسی اور طرح نہیں نکل سکتی۔[1]

(مرقس باب ۹ آیت ۲۸-۲۹)

---

[1]:۔ اس آیت میں موجودہ بعض اناجیل سے روزہ کا لفظ نکال دیا گیا ہے۔

روزہ اور دُعا وگریہ وزاری کے ذریعہ انسان خدا کے غضب سے
بچ سکتا ہے۔ یوایل اور دانی ایل نبی فرماتے ہیں:۔

"خداوند کا روزِ عظیم بہت خوفناک ہے کون اس کی
برداشت کر سکتا ہے لیکن خداوند فرماتا ہے اب بھی
پورے دل سے اور روزہ رکھ کر اور گریہ وزاری و ماتم
کرتے ہوئے میری طرف رجوع لاؤ اور اپنے کپڑوں کو
نہیں بلکہ دلوں کو چاک کر کے خداوند اپنے خدا کی طرف
متوجہ ہو۔ کیونکہ وہ رحیم و مہربان قہر کرنے میں دھیما اور
شفقت میں غنی ہے اور عذاب نازل کرنے سے باز
رہتا ہے۔" (یوایل باب ۲ آیت ۱۱ تا ۱۳)

"اور روزہ اور دُعا کے نتیجہ میں انسان کو خدا ملتا ہے
میں نے خُداوند خدا کی طرف رُخ کیا اور میں منت اور
مناجات کر کے اور روزہ رکھ کر اور ٹاٹ اوڑھ کر اور
راکھ پہ بیٹھ کر اس کا طالب ہوا۔"

(دانی ایل باب ۹ آیت ۳)

قرآن کریم میں احکام رمضان کے درمیان دُعا کا بیان ہے۔ کہ
(اے رسُول!) میرے بندے جب تجھ سے میرے متعلق
پوچھیں تو تُو (جواب دے کہ) میں ان کے پاس (ہی) ہوں۔
جب دُعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اس کی دُعا قبول کرتا

ہوں۔ سو چاہئیے کہ وہ (یعنی دُعا کرنے والے بھی) میرے
حکم کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا وہ ہدایت پائیں۔"

(البقرہ ۱۸۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا کا رمضان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"رمضان کا مہینہ مبارک مہینہ ہے۔ دعاؤں کا
مہینہ ہے۔"

(الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح دُعا کے قبول ہونے کے اوقات بھی
ہیں۔ لیکن وہ ظاہری سامانوں کی حدبندیوں کے نیچے
نہیں ہوتے بلکہ وہ انسانی قلوب کی خاص حالتوں اور
کیفیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہیں وہی انسان محسوس
کر سکتا ہے جس پر وہ حالت وارد ہو۔ مگر دعا کی قبولیت
کا ایک اور وقت بھی ہے جسکے معلوم کرنے کے لئے
باریک قلبی کیفیات سے واقف ہونے کی ضرورت نہیں
ہوتی اور وہ وقت رمضان کا مہینہ ہے یہ آیت خدا تعالیٰ
نے روزوں کے ساتھ بیان کی ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ
اس کا روزوں سے بہت گہرا تعلق ہے اور ان کے روزوں

کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہی ہے کہ . . . . ماہ رمضان میں مسلمانوں کی توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی پھیلی ہوئی چیز محدود ہو جائے تو اس کا زور بہت بڑھ جاتا ہے جیسے دریا کا پاٹ جہاں تنگ ہوتا ہے وہاں پانی کا بڑا زور ہوتا ہے اسی طرح رمضان کے مہینہ میں وہ اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو دعا کی قبولیت کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس مہینہ میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت ایسی ہوتی ہے جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے پھر سحری کے لئے سب کو اٹھنا پڑتا ہے اور اس طرح ہر ایک کو کچھ نہ کچھ عبادت کا موقع مل جاتا ہے اس وقت لاکھوں انسانوں کی دعائیں جب خدا تعالیٰ کے حضور پہنچتی ہیں تو خدا تعالیٰ ان کو ردّ نہیں کرتا بلکہ ان کو قبول فرماتا ہے اس وقت مومنوں کی جماعت ایک کرب کی حالت میں ہوتی ہے پھر کس طرح ممکن ہے کہ ان کی دعا قبول نہ ہو . . . .

پس رمضان کا مہینہ دعاؤں کی قبولیت کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے یہی وہ مہینہ ہے جس میں دعا کرنے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قریبٌ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اگر وہ قریب ہونے پر بھی نہ مل سکے تو

اور کب مل سکے گا۔“ (تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۴۰۹)

روزہ دار کی دعا کی قبولیت کے بارہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ تین اشخاص کی دعا کبھی ردّ نہیں کی جاتی۔ ایک امام عادل کی دعا۔ دوسرے روزہ دار کی دعا یہاں تک کہ وہ افطار کرے اور تیسرے مظلوم کی دعا۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو قیامت کے دن بادلوں سے ورے رفعت دے گا اور ان دعاؤں کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور اللہ فرماتا ہے میری عزت کی قسم (اے دعا کرنیوالے) میں تیری مدد کروں گا۔ خواہ کچھ وقت کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

(ابن ماجہ)

حضرت انسؓ کی ایک روایت میں بھی تین دعاؤں کی خاص قبولیت کا ذکر ہے۔ والدین کی اولاد کے حق میں دعا۔ روزہ دار کی دعا اور مسافر کی دعا کا ذکر ہے۔ (جامع الصغیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افطاری کے وقت دعا فرماتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے اور روزہ کی قبولیت کی دعا بھی فرماتے۔

کیا ہی خوب ہو کہ انسان افطاری کے وقت سے تھوڑا پہلے وضو کرکے تخلیہ میں بیٹھ کر قبولیت کے اس وقت میں اپنی حاجات خدا کے آگے پیش کرے۔ اور ان قیمتی لمحات سے فائدہ اٹھائے۔

ہمارے نزدیک جو شخص رمضان کے روزوں کے علاوہ اسکی

دوسری عبادات اور برکات سے بھی محروم ہو رہا ہو اُسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بتائی ہوئی یہ دُعا کرنی چاہیئے۔ فرمایا:۔

"پس میرے نزدیک خوب ہے کہ انسان دُعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا مبارک مہینہ ہے اور مَیں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۵۸)

استغفار بھی بخشش کی ایک دُعا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روزانہ معمول تھا کہ ستّر مرتبہ سے بھی زائد استغفار فرماتے ہیں۔ اور پھر حضرت عائشہ رض کو بھی لیلۃ القدر میں اسی بخشش اور خطاؤں کی معافی کی دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس لئے رمضان میں کثرت سے استغفار اور ذکر الٰہی کرنا چاہیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو آدمی بڑے بدقسمت ہیں ایک وہ جس نے رمضان پایا پھر رمضان گزر گیا اور اس کے گناہ بخشے نہ گئے اور دوسرا وہ جس نے والدین کو پایا اور والدین گزر گئے اور گناہ بخشے نہ گئے۔"

(الحکم ۲۹ فروری ۱۹۰۸ء)

کم از کم رمضان میں تو دست در کار و دل با یار کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"روزہ جیسے تقویٰ سیکھنے کا ایک ذریعہ ہے ویسے ہی قربِ الٰہی حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کا ذکر فرماتے ہوئے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ یہ رمضان کی ہی شان میں فرمایا گیا ہے اور اس سے اس ماہ کی عظمت اور سرِّ الٰہی کا پتہ لگتا ہے کہ اگر وہ اس ماہ میں دعائیں مانگیں تو مَیں قبول کروں گا۔ لیکن ان کو چاہیئے کہ میری باتوں کو قبول کریں اور مجھے مانیں۔ انسان جس قدر خدا کی باتیں ماننے میں قوی ہوتا ہے خدا بھی ویسا ہی اس کی باتیں مانتا ہے۔ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو رشد سے بھی خاص تعلّق ہے اور اس کا ذریعہ خدا پر ایمان اس کے احکام کی اتباع اور دُعا کو قرار دیا ہے۔ اور یہی باتیں ہیں جن سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔"

(مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۱۸۲)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

"اسلام .... ہر بالغ اور باصحت مسلمان پر یہ واجب قرار دیتا ہے کہ وہ رمضان کے روزے رکھے اور ان مبارک ایام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح و تحمید اور قرآن کریم کی تلاوت اور دعاؤں اور ذکر الٰہی میں بسر کرے۔ تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔"

(تفسیر کبیر البقرہ صفحہ ۳۸۶)

(۱۳)

قیام رمضان

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ ذَکَرَ رَمَضَانَ فَفَضَّلَہٗ عَلَی الشُّھُوْرِ وَقَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔

(نسائی کتاب الصوم)

ترجمہ:- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر فرمایا۔ اور اسے تمام مہینوں سے افضل قرار دیا۔ اور فرمایا جو شخص رمضان کے مہینہ میں حالتِ ایمان میں ثواب اور اخلاص کی خاطر عبادت کرتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اُس روز تھا جب اس کی ماں نے اُسے جنا۔

تشریح:- قَامَ کے لفظی معنے کھڑے ہونے کے ہیں اور مراد اس سے قیام اللیل ہے یعنی رمضان کے مہینہ میں راتوں میں نوافل اور نماز تہجد کی ادائیگی۔

یوں بھی عام حالات میں نماز تہجد اور قیام اللیل کا ثواب بہت
بیان ہوا ہے ۔ یہ قبولیت دُعا کا وقت ہوتا ہے ۔ حدیث میں آتا ہے
کہ جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر رات کو
ورلے آسمان پر آجاتا ہے اور فرماتا ہے ۔ میں بادشاہ ہوں کون ہے
جو مجھ سے دُعا کرے اور میں اس کی دُعا قبول کروں ۔ کون ہے جو
مجھ سے مانگے اور مَیں اسے دوں ۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش
طلب کرے اور مَیں اسے بخش دوں اور بعض روایات میں یہ الفاظ
ہیں کہ اللہ تعالیٰ یوں اعلان فرماتا ہے ہے کوئی دُعا کرنے والا ؟ جس کی
دُعا قبول کی جائے اور ہے کوئی مانگنے والا ؟ کہ اُسے دیا جائے ۔ ہے
کوئی توبہ کرنے والا ؟ کہ اس کی توبہ قبول ہو ۔ (مسلم)

الغرض رات کی عبادت اور دعائیں خُدا کے حضور بہت مقبول
ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بھی عام حالات میں بہت
زیادہ عبادت کرنے کا تھا ۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ ساری ساری
رات کھڑے ہو کر عبادت کرتے ۔ یہاں تک کہ پاؤں سُوج جاتے ۔
حضرت عائشہ رضؓ نے پوچھا اے خُدا کے رسُول کیا اللہ نے آپؐ کو معاف
نہیں کر دیا پھر آپ کیوں اتنی تکلیف اُٹھاتے ہیں ۔ تو آنحضورؐ نے فرمایا :
عائشہؓ ! کیا مَیں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں ؟ (بخاری)

حضرت عائشہ رضؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضورؐ ساری رات
کھڑے ہو کر نماز میں یہ آیت پڑھتے رہے : ۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ
لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

کہ اے اللہ ! اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے گا تو یقیناً
یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو
یقیناً تو بہت غالب اور حکمت والا ہے ۔ (بخاری)

آنحضورؐ کی اس عبادت کی کیفیت کا بھی ذکر ملتا ہے کہ راتوں
کو عبادت کرتے ہوئے آپؐ کا سینہ خدا کے حضور گریاں و بریاں
ہوتا ۔ دل اُبل اُبل جاتا اور سینہ میں یوں گڑگڑاہٹ کی آواز
سنائی دیتی جیسے ہنڈیا کے اُبلنے سے گڑگڑ کی آواز آتی ہے ۔
(شمائل ترمذی)

حضرت عائشہ رضؓ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ آنحضورؐ رمضان المبارک
میں رات کو کیسے عبادت فرماتے تھے ۔ فرمایا ۔ حضورؐ رمضان
اور رمضان کے علاوہ ایام میں گیارہ رکعتوں سے زائد نہیں پڑھتے
تھے ۔

وَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ۔

اُن رکعتوں کے حسن اور لمبائی کے متعلق نہ پوچھ ۔ یعنی میرے پاس
الفاظ نہیں کہ حضورؐ کی اس لمبی نماز کی خوبصورتی بیان کروں ۔ پھر ایسی
لمبی اور خوبصورت چار رکعات ادا فرماتے تھے اور پھر تین وتر
آخر میں پڑھتے تھے ۔ یعنی کل گیارہ رکعات ۔ (بخاری)

لیکن یہ تو آپؐ کا عام معمول تھا۔ رمضان میں تو حضرت عائشہؓ
فرماتی ہیں۔ آپ کمر بہت کس لیتے تھے اور پوری کوشش اور محنت
فرماتے تھے۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کو سوائے رمضان کے عام طور
پر ساری ساری رات کھڑے ہو کر عبادت کرتے نہیں دیکھا۔
(نسائی)

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے
رمضان کو تم پر فرض کیا ہے اور میں نے اس کی راتوں کی عبادت
تمہارے لئے بطور سنت قائم کر دی ہے۔ (نسائی)

اس لئے رمضان کی راتوں میں سحری کے وقت نوافل ادا کرنے
کی ضرور کوشش کرنی چاہیئے۔ خواہ دو چار ہی کیوں نہ پڑھیں۔ اصل
سنّت تو قیام اللیل کی حضرت عائشہؓ نے بیان کی ہے۔ تاہم تراویح
کے علاوہ بھی نماز تہجد کے نوافل ادا کرنے کی ضرور کوشش کرنی
چاہیئے۔ کیونکہ رات کے آخری حصہ میں نوافل کی ادائیگی کرنا
زیادہ افضل ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی
راتوں میں عبادت کرنے کے لئے خاص طور پر تحریک و ترغیب دلایا
کرتے تھے۔ بے شک آپ عزیمت کے طور پر اس کا حکم تو نہیں
دیتے تھے تاہم تلقین و ترغیب ضرور فرماتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت عمرؓ نے تراویح پڑھنے والے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے
فرمایا تھا کہ وہ نماز تہجد جس سے تم سو جاتے ہو وہ ان تراویح سے
افضل ہے۔ (بخاری)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح اور تہجد دو نفلوں میں سے
کسی ایک کو اختیار کرنا ہو تو بہرحال تہجد افضل ہے اسے اختیار
کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر کسی کو تہجد کے ساتھ تراویح میں بھی قرآن
شریف سننے کی بھی توفیق ملتی ہے تو اس کی سعادت ہے کہ دوہرا
ثواب حاصل کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بہت
عبادت کرتے تھے۔ ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات
سے فارغ ہو کر اور ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے
تبتل الی اللہ حاصل کرنا چاہیئے"

(تقاریر جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۰،۲۱)

۱۴ روزہ کے آداب

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ ۔ (بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو (روزہ دار) جھوٹی بات اور غلط کام نہیں چھوڑتا اللہ تعالیٰ کو اسکے کھانا پینا چھوڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔

تشریح :۔ روزہ کا ایک بڑا مقصد انسان کو گناہ سے بچانا اور ایک پاک زندگی کا حصول ہے اور روزہ کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ جب انسان خُدا کے حکم پر ایک معیّن وقت کے لئے حلال چیزوں سے رُک جاتا ہے تو جن چیزوں سے خدا نے منع کیا ہے ان سے روزہ میں خصوصًا اور عام حالات میں بھی ان سے بچنے کی کوشش کرے گا لیکن جو شخص روزہ کے اس مقصد کو حاصل نہیں کرتا اس کے روزہ

رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ۔ قول الزّور سے مُراد وہ بات جس میں کجی اور ٹیڑھا پن ہو ۔ اس میں جھوٹی بات، جھوٹی گواہی، کسی پر افتراء غیبت، بہتان، گالی گلوچ وغیرہ سب شامل ہیں ۔ اور قول الزور پر عمل کرنے سے مراد فواحش کا ارتکاب اور غلط اور بُرے کام کرنا ہے لَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ یعنی خُدا کو اس کی ضرورت نہیں ۔ یہ دراصل مجازی کلام ہے ۔ کہ وہ روزہ خدا کے قبول کرنے کے لائق نہیں ۔ کیونکہ ایسا روزہ دار ان چیزوں کو تو اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے جو عام حالات میں حلال ہیں ۔ لیکن ایسی چیز کا ارتکاب کرتا ہے جو ہر زمانہ میں حرام ہے ۔

دوسری روایات میں ذکر ہے کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو لغو اور بے ہودہ باتیں جہالت کی باتیں اور لڑائی جھگڑے کا کوئی کام نہ کرے بلکہ اگر کوئی لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ کرے تو تم مقابلہ نہ کرو بلکہ کہدو کہ مَیں روزہ دار ہوں ۔ اس لئے روزہ کا احترام کرتے ہُوئے تم سے لڑائی جھگڑا نہیں کرتا ۔ (بخاری)

پس اگر کوئی شخص ان امور اور آداب کا لحاظ نہیں رکھتا جو روزہ کے لئے ضروری ہیں تو اس کے محض بھوکے پیاسے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ۔ کیونکہ روزہ بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں ۔ بلکہ یہ تو ایک عبادت ہے جو مقررہ شرائط سے ادا ہوتی ہے ۔ کئی بدقسمت ان آداب صوم کا لحاظ نہ رکھ کر اس عبادت کے اعلیٰ ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں ۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"کئی روزہ دار ہیں جن کو ان کے روزہ سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی رات کو اُٹھ کر عبادت کرنے والے ہیں مگر ان کو سوائے بیداری اور بے خوابی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

(ابن ماجہ)

حدیث میں روزہ دار کے لئے ایک ادب فَلَا یَرْفُثْ بیان ہوا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ لغو باتوں اور شہوانی امور نیز ان کے محرکات اور مبادیات سے اجتناب کریں۔ بے شک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں ازواج کا بوسہ لے لیتے تھے لیکن ساتھ ہی حضرت عائشہؓ نے وضاحت فرمائی کہ حضورؐ تم سب سے زیادہ اپنی خواہشات پر کنٹرول کرنے والے اور غلبہ رکھنے والے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے اور جسم کے ساتھ جسم چھونے کے بارہ میں پوچھا تو اسے آپؐ نے اجازت دے دی اور ایک دوسرے شخص نے یہی سوال کیا تو اُسے منع کر دیا اور پھر فرماتے ہیں کہ جسے اجازت دی وہ بوڑھا آدمی تھا اور جسے منع کیا وہ نوجوان تھا۔

(ابوداؤد)

گویا جہاں روزہ کے آداب کی بے ادبی اور اس کی حدود کے پھلانگنے کا خطرہ تھا وہاں ان امور سے بھی روک دیا جو جائز تو ہیں لیکن ان میں پھسلنے کا خطرہ موجود ہے۔ پس چاہیئے کہ روزہ کی حالت میں انسان لغو اور بے ہودہ باتوں سے بچے۔ اور ہر قسم کے جھگڑے اور گالی گلوچ اور شرارت سے محفوظ رہے تاکہ اس کا روزہ خدا کے پاس مقبول ہو۔ پہلی قوموں کو بھی یہ تنبیہہ کی گئی کہ اگر روزہ کے آداب کا خیال نہ رکھیں گی تو اس کی برکات سے محروم ہو جائیں گی۔

یسعیاہ نبی اپنے ماننے والوں کو فرماتے ہیں:۔

"دیکھو تم اس مقصد سے روزہ رکھتے ہو کہ جھگڑا رگڑا کرو اور شرارت کے مُکّے مارو پس اب تم اس طرح کا روزہ نہیں رکھتے ہو کہ تمہاری آواز عالمِ بالا پر سنی جائے۔"

(یسعیاہ باب ۵۸ آیت ۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے:۔

"روزہ دار کو خیال رکھنا چاہیئے کہ روزے سے صرف یہ مطلب نہیں کہ انسان بھوکا رہے بلکہ خدا کے ذکر میں بہت مشغول رہنا چاہیئے۔"

(تقاریر جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۰، ۲۱)

۱۵

روزہ اور پاکیزگی و طہارت

(۱) عَنِ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُحْفَۃُ الصَّائِمِ الدُّھْنُ وَالْمِجْمَرُ ۔ (ترمذی باب الصوم)

(۲) عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ خَیْرِ خِصَالِ الصَّائِمِ السِّوَاکُ ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ (۱) :۔ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ دار کا تحفہ چکنائی (تیل وغیرہ) اور خوشبو ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ دار کی سب سے اچھی خصلت اور خوبی مسواک کرنا ہے۔

تشریح :۔ اسلام نے باطنی طہارت کے ساتھ ظاہری نظافت پر بھی بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ یہ تجربہ شدہ امر

ہے کہ صاف ستھرے آدمی کے خیالات بھی پاکیزہ ہوں گے۔ اسلئے اسلام نے نماز سے پہلے وضو رکھا ہے اور بعض صورتوں میں غسل کرنے کی ہدایت دی ہے۔ اور جمعہ کے جمعہ غسل کرنے کو واجب اور ضروری قرار دیا ہے۔

روزہ کی حالت میں غسل خاص طور پر بہت مفید ہے۔ روزہ جسم میں گرمی پیدا کرتا ہے اور غسل اس کو زائل کر کے ایک ٹھنڈک اور تروتازگی پہنچاتا ہے۔ اسی طرح جسم اور بالوں پر چکنائی اور تیل وغیرہ کا استعمال بھی جسم کی خشکی اور کوفت کو دور کرتا ہے۔ اور بدن کو ملائم کرتا ہے۔ خوشبو سے انسان کے دل کو فرحت اور طبیعت میں سرور اور بشاشت محسوس ہوتی ہے اس لئے فرمایا کہ روزہ دار کا تحفہ چکنائی اور خوشبو وغیرہ ہے جس سے اسے تروتازگی اور بشاشت حاصل ہوتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ظاہر [illegible] زمی اثر باطن پر ہوتا ہے۔ اور اگر بال پراگندہ۔ جسم اور لباس صاف نہ ہو تو طبیعت میں بھی تکدر ہوتا ہے۔ اس لئے روزہ کی حالت میں خاص طور پر صاف ستھرا اور ہشاش بشاش رہنا چاہیئے۔ بلکہ اس طرح کسی کو معلوم بھی نہ ہو کہ روزہ سے ہے یا نہیں۔

بعض لوگ روزہ کے اظہار کے لئے ایسی حالت یا صورت بنا لیتے ہیں کہ شکل سے ہی روزہ کا پتہ چلے۔ یہ بات پسندیدہ نہیں بلکہ ریاکاری

میں داخل ہے۔ حضرت مسیحؑ نے بھی اپنے حواریوں کو اس سے روکا اور فرمایا:۔

"جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ ان کو روزہ دار جانیں میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے بلکہ جب تو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے۔ تجھے روزہ دار جانے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دیگا۔"

(متی باب ۶ آیت ۱۶ تا ۱۸)

اسلام نے بھی اسی امر کی طرف توجہ دلائی کہ انسان روزہ کی حالت میں ہشاش بشاش صاف ستھرا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ صبح صبح بالوں میں تیل وغیرہ لگائے اور کنگھی کیا کرے۔ (بخاری)

دوسری حدیث میں مسواک کا ذکر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی زور دیا۔ فرمایا کہ

مسواک منہ کی پاکیزگی کا ذریعہ اور اللہ کی رضامندی کا موجب ہے۔

نیز فرمایا۔ اگر میں امت پر شاق اور گراں نہ سمجھتا تو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بے شمار دفعہ روزہ کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک کرتے دیکھا ہے۔

(ترمذی)

اس کے باوجود مسواک کے بارہ میں بعض ائمہ نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ روزہ میں تر و تازہ مسواک نہ کیا جائے خشک کر لیا جائے بعض کہتے ہیں۔ دن کے پہلے حصہ میں کر لیا جائے دوسرے حصہ میں نہ کیا جائے۔ کیونکہ دوسرے وقت میں انسان کے معدہ سے جو بخارات اُٹھتے ہیں اس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے مسواک سے اس بُو کو زائل نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ سب ذوقی باتیں ہیں۔ اصل یہی ہے کہ جس وقت اور جو مسواک انسان چاہے روزہ کی حالت میں کر سکتا ہے۔ اور یہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

جیسا کہ عبداللہ بن عامر کی روایت گزری کہ روزہ کی حالت میں حضور کو اتنی دفعہ مسواک کرتے دیکھا کہ میں اس کا شمار ہی نہیں کر سکتا۔

حضرت ابن عمرؓ دن کے پہلے حصہ میں بھی مسواک کرتے تھے اور آخری حصہ میں بھی۔ (بخاری)

اسی طرح ایک تابعی عبدالرحمن بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے پوچھا کہ روزہ میں مسواک کر سکتے ہیں۔ آپ

نے فرمایا۔ ہاں۔ میں نے کہا دن کے کس حصہ میں مسواک کروں۔ معاذ نے فرمایا۔ صبح یا شام جب چاہو۔ عبدالرحمن نے کہا لوگ پچھلے پہر مسواک کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو (جو کستوری سے بھی زیادہ اللہ کو محبوب ہے) اس سے زائل ہوتی ہے۔ حضرت معاذ رضی نے فرمایا۔ سبحان اللہ! رسول اللہ ﷺ نے خود لوگوں کو مسواک کا حکم دیا اور آپ جانتے تھے کہ مسواک سے وہ خلوف یعنی بو زائل نہیں ہوتی۔ اور قطعاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حکم نہیں دیا جس سے یہ اپنے مونہوں کو گندا اور بدبودار کر لیں۔ اس میں خیر نہیں بلکہ شر ہے۔ (طبرانی)

اسی طرح حضرت عاصم احول سے پوچھا گیا کہ کیا تازہ اور تر مسواک کی جائے تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا پانی سے بھی تر کوئی چیز ہے۔ (بیہقی)

یعنی اگر کلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو تر مسواک سے کیسے ٹوٹ جائے گا۔

حنفی مسلک کے بڑے علامہ ابن ہمام نے اسی بحث میں لکھا ہے کہ مسواک تو محض دانتوں کی صفائی کرتا ہے اور انکی زردی کو دور کرتا ہے اور روزہ دار کے منہ کی خلوف (یعنی بو) جس کے بارہ میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اللہ کو کستوری سے زیادہ پسند ہے وہ تو فم معدہ سے آتی ہے۔ اسلئے مسواک سے وہ قائم رہتی ہے زائل نہیں ہوتی۔ اس لئے روزہ کی حالت میں مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں

(۱۶)

سحری کے آداب

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً (بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانو! سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

تشریح:۔ "سحر" کے معنے صبح کے ہیں اور السحور کا لفظ علی الصبح کھانا کھانے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اسلام دراصل طاقت اور فرمانبرداری کا نام ہے۔ اسلامی احکام کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ محض اپنے آپکو مشقت میں ڈال کر خدا کو خوش نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی صحیح فرمانبرداری کے ذریعے اسے راضی کر سکتے ہیں۔ یہودیوں کے روزہ میں سحری نہیں تھی مسلمانوں کو سحری کا حکم ہوا اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب یعنی یہود کے روزہ میں فرق سحری کا کھانا ہے۔ (ابوداؤد) اس لئے مسلمان سحری کے حکم کے شکرانہ کے طور پر ضرور سحری کھایا کریں

سحری کا وقت آدھی رات کے بعد سے فجر کے طلوع ہونے تک ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ وقت سحری کے تعین کے بارہ میں پہلے آیت

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ
الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ۔

تک نازل ہوئی (اس کے ساتھ من الفجر کے الفاظ نہیں تھے) یعنی کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید تاگہ تمہارے لئے سیاہ تاگے سے واضح ہو جائے تو کچھ مسلمانوں اور خاص طور پر حاتم طائی کے بیٹے عدیؓ جو مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے روزہ رکھنے کی خاطر ایک سفید اور ایک سیاہ تاگہ پاس رکھ لیا رات کے کسی حصہ میں ان دھاگوں کو دیکھا تو وہ ایکدوسرے سے واضح نظر نہ آئے (وہ سمجھے کہ ابھی سحری وقت ہے) اور جب تک دونوں دھاگے واضح نہ ہوئے سحری کا وقت سمجھتے رہے۔ صبح عدیؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے اپنے تکیہ کے نیچے سفید اور سیاہ دھاگہ رکھ چھوڑا تھا (تاکہ سحری کا وقت معلوم کر سکوں) حضورؐ نے ازراہِ تفنن فرمایا۔ پھر تو تمہارا تکیہ بہت بڑا ہے کہ اس کے نیچے (صبح کا) سفید اور سیاہ دھاگہ آجاتا ہے۔ پھر فرمایا: خیط ابیض یعنی سفید دھاگہ سے مراد تو صبح کی روشنی ہے اور خیط اسود یعنی سیاہ دھاگہ سے مراد رات کا اندھیرا ہے۔ اس کے بعد من الفجر کے الفاظ نازل ہوئے یعنی فجر کا سیاہ اور سفید دھاگہ تو پھر سب پر واضح ہو گیا کہ اس سے مراد رات کے اندھیرے اور دن

کی روشنی میں امتیاز کرنیوالی صبح کی پَو کا پھٹنا ہے۔ (بخاری)

پسندیدہ امر یہ ہے کہ آخری وقت میں سحری کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہیں گے جب تک سحری میں تاخیر کرتے رہیں گے۔ (ترمذی) نیز فرمایا کہ صبح کا یہ مبارک کھانا رات کے آخری حصہ میں کھایا کرو (جامع الصغیر) اور سحری میں تاخیر کی حدبندی (اور تعین اس طرح فرمایا کہ اوپر کی طرف اٹھنے والی سفید روشنی کے وقت تک بلااندیشہ کھاؤ پیو یہاں تک کہ سرخ روشنی سیدھی پھیلے تو کھانے پینے سے رک جاؤ (ترمذی) یعنی طلوعِ فجر کے بعد نہ کھاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں مسلمانوں کی سہولت کے لئے یہ انتظام فرمایا تھا کہ صبح کی دو اذانیں ہوتی تھیں۔ پہلی اذان حضرت بلالؓ فجر کے طلوع ہونے سے پہلے دیتے تھے جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اب سحری کا آخری وقت ہے جو شخص نماز تہجد ادا کر رہا ہے یا جو سویا ہوا ہے وہ بھی اٹھ کر سحری کھالے اور دوسری اذان حضرت ابن مکتوم اس وقت دیا کرتے تھے جب فجر طلوع ہو جاتی تھی اور اس کا مقصد سحری کے وقت کے ختم ہو جانے کا اعلان ہوتا تھا اس لئے حضورؐ نے فرمایا کہ جب بلالؓ اذان دے تو کھاتے رہا کرو اور جب ابن مکتوم اذان دے تو سحری ختم کر لیا کرو۔

لیکن اس میں کچھ گنجائش بھی رکھ دی کہ جب تک پوری طرح

فجر نہ ہوجائے تو کھا پی سکتے ہو خواہ اذان ہو رہی ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضہ
کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے
کوئی اذان سنے اور کھانے پینے کا برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ برتن
رکھ نہ دے یہاں تک کہ حسبِ ضرورت اس سے کھالے۔ (ابوداؤد)
حضور سحری کی تاخیر طلوعِ صبح صادق تک فرماتے تھے حضرت انس رضہ
حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ
سحری کھائی پھر ہم نمازِ فجر کیلئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس رضہ کہتے ہیں
کہ میں نے پوچھا کہ سحری اور نمازِ فجر کے درمیان کتنا وقفہ تھا تو زید رضہ بن
ثابت نے جواب دیا کہ تقریباً ۵۰ آیات پڑھنے کے برابر وقفہ تھا۔
(ترمذی) اور پچاس آیات کی آہستہ تلاوت پر تقریباً ۱۰-۵ منٹ
خرچ ہوجاتے ہیں۔ سحری کی تاخیرِ وقت پر ایک اور حدیث سے
بھی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضہ کہتے ہیں کہ اپنے گھر میں
سحری کرکے مجھے بسرعت جا کر نمازِ فجر میں حضورؐ کے ساتھ شامل ہونا
پڑتا تھا۔ (بخاری)

حضرت مصلح موعود رضہ نے فرمایا

"افقِ مشرق پر سیاہ دھاری سے سفید دھاری شمالاً
جنوباً ظاہر ہونے تک کھانا پینا جائز ہے اگر اپنی طرف سے
احتیاط ہو اور کوئی بعد میں کہے کہ اسوقت سفیدی
ظاہر ہوگئی تھی تو روزہ ہوجاتا ہے" (الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء)

سحری کھانے کی تاکید کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اسکی حکمت بھی بیان فرمائی چنانچہ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں
کہ آنحضرتؐ نے فرمایا سحری کھانے کے ذریعہ دن کے روزہ (کی مشقت
اور رات کی عبادت میں جاگنے) کے مقابل پر قیلولہ کیلئے مدد چاہو۔ (ابن ماجہ)
اس لئے فرمایا کہ سحری کیا کرو خواہ ایک گھونٹ پانی یا ایک دانہ ہی کیوں
نہ ہو (جامع الصغیر)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان المبارک
کے مہینہ میں آنحضورؐ کو میں نے سنا آپ (مسجد میں موجود) صحابہ رضہ
کو سحری کیلئے بلا رہے تھے اور فرما رہے تھے اس صبح کے مبارک کھانے
کیلئے آؤ۔ حضورؐ کے ایک اور صحابی بیان کرتے ہیں کہ آپؐ سحری کھا
رہے تھے تو فرمایا یہ برکت ہے جو اللہ نے تم کو عطا کی ہے۔ اس لئے
اسے ہرگز نہ چھوڑو (نسائی)

رسول اللہ کے خادم خاص حضرت انس رضہ بیان کرتے ہیں کہ ایکدفعہ
سحری کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے انس رضہ
میں نے روزہ رکھنا ہے مجھے کھانے کی کوئی چیز لادو" حضرت انس رضہ
کہتے ہیں میں کھجوریں اور ایک برتن میں پانی لے آیا اور اسوقت حضرت بلال رضہ
کی پہلی اذان ہوچکی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا "انس! دیکھو (مسجد میں)
کوئی اور آدمی ہے۔ جو میرے ساتھ سحری میں شامل ہو۔ حضرت انس رضہ
نے زید بن ثابت کو بلایا تو انہوں نے کہا کہ میں تو ستو پی کر روزہ

رکھ چکا ہوں ۔ حضورؐ نے فرمایا ہم نے بھی روزہ ہی رکھنا ہے چنانچہ زیدؓ بن ثابت نے حضورؐ کے ساتھ سحری کھائی ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سحری میں کسی قسم کے تکلفات نہیں فرماتے تھے ۔ جو میسر ہوتا تھا اس سے روزہ رکھ لیتے تھے بلکہ آنحضورؐ نے فرمایا کھجور مومن کیلئے کتنی اچھی سحری ہے ۔ (ابوداؤد)

اگر انسان جنبی ہونے کی حالت میں صبح کرلے اور روزہ رکھنے کا وقت ہو تو حالتِ جنابت میں غسل سے پہلے سحری کھا کر روزہ رکھ سکتا ہے تاہم نماز سے پہلے غسل کرنا ضروری ہے ۔ (سوائے کسی شرعی عذر کے) اور اگر انسان کی اس وقت آنکھ کھلی جب فجر طلوع ہو چکی ہو اور سحری کھانے کا وقت نہ رہا ہو تو بغیر سحری کے روزہ رکھ لینا جائز ہے لیکن بطور عادت کے تزکیۂ نفس کی خاطر ایسا کرنا پسندیدہ نہیں ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے سوال ہوا کہ کیا روزہ سحری کے بغیر رکھنا یعنی آٹھ پہرے روزے رکھنا برائے تزکیۂ نفس درست ہے فرمایا :-

• اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھنا بڑا ضروری ہے ہر ایک نیکی کا کام اسی وقت نیکی کا کام ہو سکتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل درآمد کے موافق ہو روزہ بغیر سحری کے رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کیلئے پسند نہیں فرمایا ۔ دین یُسر پر ہے

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ خصوصیت کے ساتھ روزہ ہی کے ذکر میں آیا ہے ۔

(مجموعہ فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۱۸۰)

۱۷

افطاری کے آداب

عَنْ سَهْلٍ رضؓ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ (بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ :۔ حضرت سہل رضؓ بن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہیں گے جب تک روزہ جلدی افطار کرتے رہیں گے

تشریح :۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلام ہمیں سختی اور مشقت میں بلاوجہ نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے حکموں کو مانا جائے روزہ کی افطاری کے بارے میں فرمایا کہ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ کہ روزہ کو رات تک پورا کرو۔ یہاں رات سے مراد اس کا پہلا حصہ ہے۔ جب سورج غروب ہوتا ہے دن ختم ہو جاتا ہے اور رات شروع ہو جاتی ہے ان میں حدِ فاصل غروبِ آفتاب ہے اس امر کی وضاحت ان احادیثِ نبویہ سے ہوتی ہے جن میں جلدی روزہ افطار کرنے کا ارشاد ہے اور اس طرح اِلَى اللَّيْلِ یعنی رات تک کے

الفاظ سے جو غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہو سکتا تھا اس کا ازالہ فرما دیا اس غلط فہمی کے باعث آجکل بھی بعض لوگ افطاری میں تاخیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب رات کا وقت شروع ہو جائے اور دن کا ختم اور سورج غروب ہو جائے تو تمہیں روزہ کھول دینا چاہیئے۔ (ترمذی)

اسی طرح حضور ؐ نے فرمایا کہ دینِ اسلام اس وقت تک مضبوط رہے گا جب تک لوگ روزہ جلدی افطار کرتے رہیں گے۔ کیونکہ یہودی اور عیسائی روزہ افطار کرنے میں تاخیر کرتے تھے اور ستاروں کے نکلنے تک روزہ نہیں کھولتے تھے (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے سب سے پیارے بندے وہ ہیں جو (جب افطاری کا وقت ہو جائے تو وہ) سب سے جلدی افطاری کرتے ہیں (ترمذی) صحابہ کرام رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفر کا ذکر کرتے ہیں کہ حضور ؐ کو روزہ تھا جب سورج غروب ہونے لگا تو آپ ؐ نے بلال رضؓ سے فرمایا کہ اے بلال رضؓ! یہاں اترو اور ہمارے لئے ستو بناؤ۔ حضرت بلال رضؓ نے عرض کی حضور ؐ ابھی تھوڑی اور شام ہونے دیتے۔ حضور ؐ نے پھر فرمایا ٹھہرو اور ہمارے لئے ستو بناؤ۔ حضرت بلال رضؓ نے پھر عرض کی کہ ابھی تو دن باقی ہے۔ حضور ؐ نے تیسری مرتبہ اپنا ارشاد دہرایا کہ یہیں اترو اور ستو بھگوؤ۔ حضرت بلال رضؓ نے

وہاں اتر کر ستو بھگوئے اور حضورؐ نے (سورج غروب ہونے کے بعد) پیئے۔ پھر حضورؐ نے اپنی انگلی سے مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ جب تم ادھر سے دیکھو کہ رات ہونے لگی (یعنی سورج غروب ہوگیا) تو روزہ افطار کرنے کا وقت ہوگیا۔ (ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا واقعہ دو تابعی حضرت مسروق اور ابو عطیہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور پوچھا اے ام المومنین حضورؐ کے صحابہؓ میں دو صحابی ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی نیکی اور خیر کے حصول میں کوتاہی کرنے والا نہیں۔ لیکن ان میں سے ایک تو افطاری بھی جلدی کرتے ہیں اور نماز بھی (اپنے وقت میں) جلدی پڑھتے ہیں اور دوسرے صحابیؓ افطاری اور نماز دونوں میں تاخیر کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا ان میں افطاری اور نماز میں کون جلدی کرتا ہے۔ بتایا گیا عبداللہؓ بن مسعود تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ یعنی افطاری جلدی فرماتے اور نماز بھی جلدی (ترمذی۔ نسائی)

روزہ کی افطاری کا وقت بہت بابرکت گھڑی ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کیلئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی اسے افطاری کے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری اسوقت ہوگی جب روزہ کی وجہ سے خدا سے اس کا لقاء ہوگا۔ (بخاری) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر افطاری کے وقت اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو

(آگ سے) آزاد اور بری فرماتا ہے اور یہ (عمل) روزانہ شام کو ہوتا ہے (ابن ماجہ) اس لئے افطاری کے وقت کے بابرکت لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے بلکہ قبولیتِ دعا کے اسوقت میں دعائیں کرنی چاہئیں۔ کیا اچھا ہو کہ انسان روزہ افطار ہونے سے چند منٹ قبل وضو کر کے تخلیہ میں بیٹھ کر اپنے خدا سے اپنی مرادیں مانگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افطاری کے بعد خدا کا شکر ادا کرتے اور دعا فرمایا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ روزہ افطار کر کے فرماتے پیاس بجھ گئی۔ رگیں تر ہوگئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر ثابت ہوگیا (ابوداؤد) روزہ افطار کرنے کی مختصر اور مشہور دعا جو حضور سے مروی ہے وہ یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ

(ابوداؤد)

کہ اے اللہ تیری خاطر میں نے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر میں افطار کرتا ہوں

یہی دعا بعض روایات میں کچھ فرق کے ساتھ ہے۔ ایک روایت میں وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ کے الفاظ ہیں یعنی میں تجھ پر توکل کیا ایک دوسری روایت کے آخر میں یہ الفاظ زائد ہیں پس تو قبول کر مجھ سے کہ تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ایک اور دعا میں ہے کہ تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے مجھے توفیق دی اور

میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق دیا تو میں نے روزہ کھولا (جامع الصغیر)

افطاری کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی پڑھتے تھے

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ (ابوداؤد)

یعنی پیاس دور ہوگئی۔ رگیں تر و تازہ ہوگئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر ثابت ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ افطار کرنے میں بھی کوئی تکلف نہیں فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی بن مالک آپؐ کے خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ حضور نماز مغرب سے قبل تازہ کھجور کے چند دانوں سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اگر تازہ کھجور میسر نہ ہوتی تو خشک کھجور کھا کر ہی روزہ کھول لیتے اور اگر خشک کھجور بھی نہ ملتی تو پانی کے چند چلو بھر کر افطاری کر لیتے (ترمذی) بلکہ ایسی سادہ افطاری کی تلقین بھی فرمائی کہ جب تم میں سے کوئی افطاری کرے تو کھجور سے کرے کیونکہ یہ بہت خیر و برکت رکھتی ہے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے روزہ کھولے جو طہارت مجسم ہے۔ (ترمذی) حضرت مصلح موعود رضی فرماتے ہیں

" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ رضی کرام افطاری کیلئے کوئی تکلفات نہ کرتے تھے کوئی کھجور سے کوئی نمک سے بعض پانی سے اور بعض روٹی سے افطار کر لیتے

تھے۔ ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ ہم اس طریق کو پھر جاری کریں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی کے نمونہ کو زندہ کریں "

(تفسیر کبیر جزو ثانی صد ۳۹۶)

روزہ افطار کرانے کا بھی بہت ثواب حدیثوں میں آیا ہے حضرت زید رضی بن خالد جہنی بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کبھی روزہ دار کا روزہ کھلوایا اس کے لئے اس روزہ دار کے اجر کے برابر اجر ہے بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر سے کچھ کم ہو (ترمذی) چنانچہ حضور کے زمانہ میں صحابہ افطاری کروایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت سعد رضی بن معاذ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطاری کیلئے تشریف لے گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کھولا اور تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور فرشتوں نے دعائیں کیں (ابن ماجہ)

حضورؐ نے روزہ افطار کروانے والے کا بہت اجر بیان فرمایا۔ گناہوں کی مغفرت اور آگ کے عذاب سے آزادی کے ساتھ روزہ دار کے اجر کے برابر اجر روزہ افطار کروانے والے کیلئے بیان فرمایا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ ہم میں سے ہر ایک افطاری کروانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو حضورؐ

نے فرمایا کہ افطاری کا یہ ثواب اسے بھی ملے گا جو ایک گھونٹ دودھ
میں پانی ملا کر یا ایک کھجور سے ہی روزہ دار کا روزہ کھلواتا ہے
اور اسے سیر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے میرے حوضِ کوثر سے سیراب
کرے گا۔ جس کے نتیجہ میں اسے کبھی پیاس نہ ہوگی۔
(مشکوٰۃ)

(۱۸)

روزہ میں بھول چوک

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ اِذَا نَسِیَ اَحَدُکُمْ فَاَکَلَ وَشَرِبَ
فَلْیُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ

(بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بھول جائے (اور روزہ کی حالت میں) کھا پی لے تو وہ اپنے روزہ کو شام تک پورا کرے۔ یقیناً اللہ نے ہی اسکو کھلایا پلایا ہے

تشریح:۔ انسان ضعیف الخلقت ہے نسیان وخطا اسکی کمزوری ہے اس لئے روزہ کے بارہ میں احکام دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تمہیں تنگی اور مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ ارشاد ربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت و وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اس لئے روزہ میں اگر بھول چوک ہو جائے اور روزہ دار کچھ کھا پی لے تو وہ معاف ہے۔ اس کا روزہ نہیں

ٹوٹتا بلکہ فرمایا کہ اللہ نے اسے کھلایا پلایا ہے ۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ تو ایک رزق ہے جو اللہ نے اس کو دیا ہے (ترمذی) اللہ کے کھلانے کے الفاظ دراصل کنایہ ہے اس امر کیلئے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے ۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ ! اگر میں روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لوں تو کیا کروں ؟ آپؐ نے فرمایا اللہ نے تجھے کھلایا پلایا ہے (ترمذی و ابوداؤد)

اگر کوئی شخص بادل وغیرہ کی وجہ سے غلطی سے پہلے روزہ افطار کر دے تو اسکی بجائے روزہ رکھے گا ۔ چنانچہ حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رمضان میں ایک دن بادل وغیرہ کے باعث ہم نے (افطاری کا وقت سمجھ کر) روزہ افطار کر لیا لیکن اس کے بعد سورج نکل آیا راوی (ہشام تابعی) سے پوچھا گیا کہ کیا پھر ان کو وہ روزہ قضاء کرنے کا حکم دیا گیا ۔ تو ہشام نے جواب دیا کہ اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی تھا ؟ (بخاری)

امام محمدؒ اپنے مؤطا میں لکھا ہے کہ جو شخص یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہو گیا روزہ افطار کرے پھر بعد میں معلوم ہو کہ سورج تو غروب نہیں ہوا تھا تو سورج غروب ہونے تک کچھ کھائے پئے نہیں اور روزہ بھی قضاء کرے ۔ یعنی بعد میں یہ روزہ رکھے ۔ امام ابوحنیفہؒ اور دیگر علماء کا بھی یہی قول ہے ۔

اسی طرح اگر غلطی سے کوئی اور چیز اندر چلی جائے مثلاً وضو کرتے ہوئے ناک میں پانی ڈالتے وقت حلق میں چلا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ انسان اسے واپس نہیں کر سکتا ۔ تاہم احتیاط ضرور کرنی چاہیئے ۔
(بخاری)

حضرت ابن عباسؓ تو روزہ دار کو یہ رعایت بھی دیتے ہیں کہ اگر ہنڈیا کا ذائقہ نمک مرچ چکھکر تھوک دے تو اس میں کوئی حرج نہیں
(بخاری)

کیونکہ روزہ جسم کے اندر کوئی چیز داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے
الغرض جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگر وہ انسان سے بھول چوک اور غلطی سے سرزد ہوں تو اس کا روزہ قائم ہے اور وہ اسے افطاری کے وقت تک مکمل کرے ۔

۱۹

نواقضِ صوم ۔ روزہ کس طرح ٹوٹتا ہے؟

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا یُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ اَلْحِجَامَۃُ وَالْقَیُٔ وَالْاِحْتِلَامُ

(ترمذی ابواب الصوم)

ترجمہ :۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان تین چیزوں سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹتا ۔ ۱۔ سنگی لگوانا ۲۔ قے آنا ۳۔ احتلام

تشریح :۔ روزہ کی شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء نے ایک عمومی اصول لکھا ہے کہ وضو جسم سے کوئی چیز خارج ہونے سے ٹوٹتا ہے اور روزہ جسم میں کوئی چیز داخل ہونے سے ۔ یعنی انسان کوئی چیز جان بوجھ کر کھا پی لے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا ۔ اسی طرح روزہ کی حالت میں میاں بیوی کے مخصوص تعلقات قائم کرنے (یعنی جماع) سے روزہ قائم نہیں رہتا اینما کرانے اور ٹیکہ لگوانے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے ۔ ارشادِ باری ہے ..... تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا (البقرہ ۱۸۸)

اللہ کی قائم کردہ حدیں ہیں ان کے قریب مت جاؤ ۔

اور جیسا کہ آدابِ روزہ میں بیان کیا جا چکا ہے جھوٹ اور ایسی لغو اور بیہودہ باتوں اور کاموں سے اجتناب بھی کامل اور مقبول روزہ کی شرائط میں شامل ہے ۔ اس حدیث میں خاص طور پر تین چیزوں کا ذکر ہے کہ ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا ۔ ان میں پہلی چیز سنگی لگوانا ہے جس کا آجکل تو ہمارے ہاں رواج نہیں ہے لیکن پرانے زمانے میں عربوں میں خاص طور پر بعض امراض کیلئے مفید اور مؤثر طبی علاج سمجھا جاتا تھا اس کا طریق یہ تھا کہ جسم کے کسی حصے بازو ٹانگ وغیرہ پر معمولی زخم کر کے اس کے اوپر ایک مخصوص قسم کا سینگ رکھ کر اسے منہ سے لگاتے اور اس آدمی کا خون منہ کے ذریعہ سانس سے کھینچ کر نکالتے تھے اس طرح خون کی ایک خاص مقدار نکالی جاتی تھی ۔ مریض کو ایک حد تک افاقہ محسوس ہوتا تھا ۔ اس حدیث میں ذکر ہے کہ "حجامت" یعنی سنگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن دوسری حدیث میں آیا ہے کہ سنگی لگانے اور لگوانے والا دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے (ترمذی)

لیکن اس حدیث میں واضح ذکر ہے کہ سنگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور بعض دوسری احادیث میں ہے کہ آنحضورؐ نے روزہ کی حالت میں خود سنگی لگوائی اس لئے اس حدیث کے علماء نے یہ معنی کئے کہ سنگی لگانے اور لگوانے سے روزہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے ۔ کیونکہ سنگی لگوانے والے کو تو خون کے نکلنے سے کمزوری اور ضعف ہوگا جس کے

نتیجے میں پیاس محسوس ہوگی اور اس وجہ سے روزہ ٹوٹنے کا اندیشہ زیادہ ہے اسی طرح لگانے والا جب خون منہ کے ذریعہ سانس کے دباؤ سے کھینچتا ہے تو خطرہ ہے کہ اس کے حلق میں خون چلا جائے اور اس کا روزہ ٹوٹ جائے اس لئے جو باتیں روزہ توڑنے کا باعث بن سکتی ہیں ان کے نتیجہ کے لحاظ سے کہہ دیا کہ ان کا روزہ ٹوٹ گیا۔ لیکن اگر کوئی سنگی لگوائے اور روزہ بھی قائم رکھنے پر قادر رہے تو ظاہر ہے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ بلکہ قائم رہے گا۔

اس حدیث میں دوسری چیز جس سے روزہ نہیں ٹوٹتا وہ قے ہے۔ لیکن اس کے بارہ میں دوسری حدیث میں تفصیل ہے کہ مجبوراً جو قے آئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر جان بوجھ کر قے کی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگر ایسی صورت ہو تو بعد میں روزہ پورا کرے .... (ابوداؤد)

حدیث میں تیسرے احتلام کا ذکر ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ائمہ اربعہ کے نزدیک روزہ دار کو دن کے وقت اگر احتلام کی صورت پیش آئے تو یہ ناقضِ صوم نہیں اور اس سے روزہ قائم رہتا ہے۔

روزہ کی حالت میں سرمہ یا دوائی کے استعمال کے بارہ میں بھی راہنمائی ملتی ہے۔ حضرت انس رضؓ بن مالک کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میری آنکھیں

دُکھتی ہیں کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ ڈال لوں۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ ہاں (ترمذی) حضرت عائشہ رضؓ کی ایک روایت میں روزہ میں حضورؐ کے خود سرمہ استعمال کرنے کا ذکر ہے (ابنِ ماجہ) ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضورؐ نے رات کو سوتے وقت سرمہ ڈالنے کا ارشاد کیا اور فرمایا کہ روزہ دار کو سرمہ استعمال کرنے سے بچنا چاہیئے (ابوداؤد و دارمی)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا

"دن کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے رات کو لگائے"

(بدر ۷ر فروری ۱۹۰۷ء)

البتہ عورت کو دن کے وقت بھی سرمہ لگانے کی اجازت ہے

حسن بصریؒ کا قول امام بخاری نے بیان کیا ہے کہ اگر روزہ دار کے ناک میں تکلیف ہو تو وہ ناک میں دوائی ڈال سکتا ہے بشرطیکہ دوا حلق میں نہ جائے (بخاری)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کی آنکھ بیمار ہو تو اسمیں دوائی ڈالنی جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا یہ سوال ہی غلط ہے۔ بیمار کے واسطے روزہ رکھنے کا حکم نہیں۔

(بدر ۷ر فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۴)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ نے فرمایا۔

"نکسیر یا قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا نہ مالشِ روغن سے اور نہ سونگھنے سے نہ خوشبو سے نہ سر میں تیل ڈالنے سے نہ سرمہ سے نہ کلوروفارم سے"

(مجموعہ فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۱۷۵)

اسی طرح کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے، بار بار نہانے آئینہ دیکھنے، مالش کرانے، پیار سے بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ان میں سے کوئی فعل منع نہیں نہ ان سے روزہ ٹوٹتا ہے۔ نہ مکروہ ہوتا ہے۔ اگر بلا اختیار حلق میں کوئی چیز جائے مثلاً دھواں، گردوغبار، مکھی، مچھر یا کلی کرتے وقت پانی کے چند قطرے حلق میں چلے جائیں تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ نیز کان میں پانی یا دوا ڈالنے، بلغم نگلنے، آنکھ میں دوا دوا ڈالنے دانت سے خون جاری ہونے، چیچک کا ٹیکہ لگوانے، بیوی یا بچے کا بوسہ لینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مریض کو خون دینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن چونکہ اس سے کمزوری ہو جاتی ہے اس لئے روزہ کھول دینا چاہیئے اور بعد میں اس کی قضاء کی جائے۔

(۲۰)

فرض روزہ توڑنے کا کفارہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ رَجُلًا اَفْطَرَ فِیْ رَمَضَانَ اَنْ یُّعْتِقَ رَقَبَةً اَوْ یَصُوْمَ شَهْرَیْنِ اَوْ یُطْعِمَ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا (مسلم کتاب الصوم)

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جس نے رمضان کا روزہ توڑ دیا تھا حکم دیا کہ ایک غلام آزاد کرے یا ۲ ماہ متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

تشریح :۔ جس طرح دنیا میں بعض رشتے اور بعض چیزیں انسان کیلئے قابل احترام ہوتی ہیں جن کی بے حرمتی انسان کیلئے نقصان دہ اور ضرر رساں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے محارم اور شائر اللہ ہیں۔ ان کی بھی تعظیم اور حفاظت کرنی چاہیئے۔

روزہ کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے بیمار معذور اور مسافر کو رخصت دے دی۔ اس کے بعد بھی وہ عاقل و بالغ شخص جس پر

روزہ فرض ہے کسی حقیقی عذر کے بغیر جان بوجھ کر فرضی روزہ توڑتا ہے تو وہ واقعی سزا کا مستحق ہے چنانچہ ایسے شخص کیلئے کفارہ مقرر ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے اگر غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اگر روزے رکھنے کی بھی صحت اجازت نہ دیتی ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدیث میں کفارہ کی دی ہوئی ترتیب کے مطابق جس چیز کی ادائیگی پر قادر ہو وہ ادا کرے تو کفارہ ادا ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ایسا واقعہ ہوا جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپؐ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے خدا کے رسول میں ہلاک ہو گیا آپؐ نے پوچھا تجھے کیا ہوا اس نے کہا روزہ کی حالت میں میں نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم کو ایک غلام آزاد کرنے کی طاقت ہے اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو اس نے کہا نہیں۔ پھر آپؐ نے پوچھا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر بیٹھے رہو۔ اسی دوران ایک شخص گدھے کو ہانکتا ہوا آیا جس کے اوپر کھجوریں لدی ہوئی تھیں۔ وہ کھجوروں کی ٹوکری حضورؐ کے پاس لایا۔ آنحضورؐ نے پوچھا وہ سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟

اس نے عرض کی حضور میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا یہ کھجوریں لے جاؤ اور صدقہ کر دو اس شخص نے کہا حضور کیا اس پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ غریب اور محتاج ہو؟ خدا کی قسم ان دونوں پہاڑوں کے درمیان اس شہر میں ہم سے زیادہ غریب کوئی گھر نہ ہوگا۔ اور ہم سب بھوکے ہیں اور ہمارے گھر کچھ بھی نہیں آپؐ نے فرمایا یہ کھجوریں لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص جان بوجھ کر روزہ توڑ بیٹھے وہ کفارہ کی تینوں اقسام میں سے کوئی بھی قسم ادا نہ کر سکے تو وہ معذور سمجھا جائے گا اور دعا ذکر الٰہی اور توبہ استغفار اس کیلئے کفارہ ہو سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی اسے کفارہ ادا کرنے کی طاقت اور قدرت ہو کفارہ ادا کرلے۔

یہ کفارہ صرف فرض روزہ کے بارہ میں ہے اس کے علاوہ نفلی قضائی یا نذری روزوں کا یہ کفارہ نہیں ان میں روزہ توڑنے کا کفارہ اس کے بدلہ ایک روزہ رکھنا ہے۔

نیز فرض روزہ توڑنے کا یہ کفارہ ایسی صورت میں ہوتا ہے جب انسان بغیر کسی عذر اور مجبوری کے جان بوجھ کر روزہ توڑ دے۔ لیکن اگر کسی عذر سے روزہ کھول دیا مثلاً شدت پیاس سے تو اس روزہ کی قضاء ضروری ہے اس کے بدلے ایک روزہ رکھ لیا جائے۔ کفارہ ضروری نہیں۔

(۲۱)

فرض روزے اور انکی قضاء

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ (ترمذی ابواب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان کا روزہ بغیر کسی رخصت (و عذر) اور بغیر بیماری کے چھوڑتا ہے تو اگر ساری عمر بھی روزے رکھتا رہے تو اس کی قضاء نہیں کرسکتا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں رمضان کے فرض روزے کی اہمیت کا ذکر ہے۔ لیکن رمضان کے علاوہ بھی کچھ روزے فرض ہیں ان کی ادائیگی بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح فرض روزوں کی۔ ضمناً ان سب فرض روزوں کی تفصیل یہاں دی جاتی ہے۔

۱۔ رمضان کے ایک مہینہ کے روزے

۲۔ رمضان کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء

۳۔ کفارہ ظہار کے روزے ۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر ہے کہ وہ لوگ جو اپنی بیویوں کو ماں کہہ دیں یا بیوی کو یہ کہیں کہ تم مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہو تو اس کے بعد میاں بیوی کا تعلق قائم کرنے سے پہلے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کریں اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھیں اور جس میں یہ طاقت بھی نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ۔ (مجادلہ ۴،۵)

۴۔ کفارہ قتل کے روزے ۔ اگر کوئی مومن کسی مومن کو نادانستہ طور پر غلطی سے قتل کر دے تو وہ بطور کفارہ خون بہا بھی ادا کرے اور ساتھ ایک مومن غلام کو بھی آزاد کرے ۔ اور جو غلام آزاد نہ کر سکے دو مہینوں کے متواتر روزے رکھنا اسپر واجب ہے ۔ (النساء ۹۳)

۵۔ کفارہ قسم کے روزے ۔ پکی قسم کھا کر توڑ دینے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کا لباس دینا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے اور جسے یہ میسر نہ ہو تو اس پر تین روزے واجب ہیں ۔ (المائدہ ۹۰)

۶۔ بحالت احرام شکار کرنے کی وجہ سے روزہ ۔ حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں شکار منع ہے جو محرم عمداً کسی جانور کو قتل کرے تو اسی قسم کا جانور بدلہ میں دینا ہوگا ۔ جس کا فیصلہ دو عادل

مسلمان کریں گے ۔ اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو چند مسکینوں کو کھانا کھلانا یا اس کے برابر روزے رکھنا ۔ جانور کا تعین اور مسکینوں یا روزوں کی تعداد کا فیصلہ دو عادل مسلمان کریں گے ۔ (مائدہ: ۹۶)

۷ ۔ بحالت احرام سر منڈوانے کا روزہ ۔ حالت احرام میں قربانی کرنے تک سر منڈوانا جائز نہیں ۔ لیکن اگر کوئی بیمار ہو یا سر کی کسی بیماری کی وجہ سے اُسے تکلیف ہو اور وہ سر منڈوالے تو اس پر روزوں کا یہ صدقہ یا قربانی کی قسم سے کچھ فدیہ واجب ہوگا ۔ (البقرہ: ۱۹۷) قرآن شریف میں ان روزوں کی تعداد معین نہیں ہے ۔ لیکن حدیث سے اس کی تعین ہو جاتی ہے ایک صحابی حضرت کعبؓ بن عجرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ ان کے سر سے جوئیں گر رہی تھیں اور بال بہت بڑھے ہوئے تھے ۔ حضور نے پوچھا یہ جوئیں تمہیں تکلیف نہیں دیتیں ۔ انہوں نے عرض کی تکلیف دیتی ہیں آپؐ نے فرمایا سر منڈوا لو اور چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو یا ایک بکرا قربانی دے دو یا تین دن کے روزے رکھ لو ۔ (بخاری)

۸ ۔ حج تمتع یا قِران کے روزے ۔ حج تمتع اور قِران میں قربانی واجب ہے اور قربانی کی توفیق نہ ہو تو ایسا شخص تین دن کے روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات روزے جب گھر واپس آئے یہ کل دس روزے حج یا تمتع کی قربانی نہ کر سکنے کا کفارہ ہیں ۔ (البقرہ: ۱۹۷)

۹ ۔ عمداً رمضان کا روزہ توڑ دینے کا کفارہ ۔ ۶۰ روزے مسلسل یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے ۔

۱۰ ۔ نذر کے روزے ۔ یہ روزے بھی فرض ہیں اور ان کو پورا کرنا ضروری ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے بھی نذروں کو پورا کرنے کا حکم فرمایا ہے ۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت نے سوال کیا کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہے ۔ اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے کیا میں اس کی طرف سے وہ روزے رکھ لوں آپؐ نے فرمایا اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا اور تم اس کو ادا کرتیں تو ادا ہو جاتا ۔ اس نے کہا ہاں ۔ آپؐ نے فرمایا پس تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھو ۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ کے احکام کا تقاضا یہی ہے کہ جملہ شرائط کیساتھ وقت پر ان کو بجا لائے ۔ لیکن اگر جان بوجھ کر ان میں سستی اور غفلت برتی جائے اور مقررہ وقت پر شرائط کے ساتھ کوئی عبادت بجا نہ لائی جائے بلکہ اپنی مرضی سے جب چاہے ادا کرے تو ظاہر ہے اس کا ثواب کیا ہوگا ؟ تاہم علماء نے کہا ہے کہ یہ جو فرمایا ساری عمر کے روزے رکھ کر بھی اس ایک روزہ کی قضاء نہیں کر سکتا اسکا مطلب یہ ہے کہ اتنا ثواب اور اجر ساری عمر اپنی مرضی سے روزے رکھ کر حاصل نہیں کر سکتا جو ایک روزہ خدا کی مرضی سے رکھنے کا ثواب ہے ۔ کیونکہ اصل اجر اور ثواب تو اطاعت میں ہے نہ کہ بھوکا پیاسا رہنے

میں ۔ پس یہ فقرہ تشدید اور مبالغہ کیلئے ہے کہ رمضان کے روزوں جیسا ثواب ساری عمر کے روزوں سے بھی نہیں پا سکتا ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسکی قضاء ہی نہ کرے اور اس کی بجائے بعد میں روزہ ہی نہ رکھے ۔ بلکہ قرآن کریم میں معذوروں کیلئے بعد میں روزے پورے کرنے کا جو حکم دیا ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ غیر معذور بھی روزہ بعد میں پورا کرے ۔ چنانچہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ وہ بعد میں روزہ قضا کر سکتا ہے ۔ لیکن ظاہر ہے وہ اجر و ثواب جو وقت پر ادا کرنے کا تھا اُسے حاصل نہیں ہو سکتا ۔

جو مسافر یا مریض رمضان میں روزہ نہ رکھ سکے وہ بعد میں سال کے دوران اگلے رمضان تک کسی وقت بھی پورے کر سکتا ہے یوں تو اگلے رمضان کے بعد بھی ادا کر سکتا ہے لیکن آئندہ رمضان سے پہلے پہلے ادا کرنے کے قابل ہو تو بہتر یہی ہے کہ ادا کر دے کیونکہ زندگی کا اعتبار نہیں اور نامعلوم آئندہ رمضان میں اور روزوں کا قرض سر چڑھ جائے ۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میں رمضان کے روزے جو بوجہ عذر رہ گئے ہوتے تھے شعبان میں ادا کر لیا کرتی تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان ایام میں زیادہ روزے رکھتے تھے ۔ (بخاری و مسلم) ضروری نہیں کہ قضاء کے روزے مسلسل رکھے جائیں بلکہ جیسے توفیق ملے وقفہ وقفہ سے بھی یہ روزے رکھے جا سکتے ہیں ۔

جو شخص مسافر یا بیمار ایسی حالت میں فوت ہو جائے کہ اس کے

ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس پر قضاء نہیں ہے ۔

حدیث میں آتا ہے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے اور اس پر قضاء نہیں ہے ۔ لیکن اگر وہ نذر مانے اور روزہ نہ رکھ سکے تو اس کا ولی وہ نذر پوری کرے اور روزے رکھے (ابوداؤد ۔ ترمذی) علماء نے قضاء عن المیت کے بارہ میں تفصیل لکھی ہے کہ میت پر دو قسم کے حقوق واجب الادا ہو سکتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد ۔ حقوق العباد کے بارہ میں میت وصیت کرے یا نہ کرے وہ ادا کئے جائیں گے ۔

اور حقوق اللہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ میت کی وصیت ہے یا نہیں ۔ اگر وصیت ہو تو مثلاً ان روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے تو میت کی ذمہ داری ادا ہو جائیگی ۔ لیکن اگر وصیت نہ ہو تو پھر ذمہ داری ختم نہ ہو گی ۔ لیکن میت کی طرف سے روزہ کی قضاء کوئی دوسرا شخص روزہ رکھ کر نہیں کر سکتا ۔

کیونکہ حضرت امام مالک ؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رض سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز روزہ کی ادائیگی کر سکتا ہے ؟ تو حضرت ابن عمر رض نے فرمایا کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ ہی کسی کی طرف سے نماز پڑھے ۔

(موطا امام مالک ؒ)

(٢٢)

ماہِ رمضان اور صدقات

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اَجْوَدَ النَّاسِ وَکَانَ اَجْوَدَ مَا یَکُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ حِیْنَ یَلْقَاہُ جِبْرِیْلُ وَکَانَ جِبْرِیْلُ یَلْقَاہُ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ مِنْ رَمَضَانَ فَیُدَارِسُہُ الْقُرْاٰنَ فَلَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدُ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ

(بخاری)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں آپؐ کی سخاوت اور بھی زیادہ ہوتی تھی۔ جب

جبریل علیہ السلام آپؐ سے ملاقات کرتے تھے اور قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں تیز آندھیوں سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

تشریح:۔ یہ حدیث رمضان اور قرآن کریم کے ضمن میں بھی گذر چکی ہے لیکن چونکہ اس میں ایک اور اہم امر رسول اللہ کی سخاوت کا بھی بیان ہے اس لئے اسے دوبارہ اس سلسلہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضورؐ عام حالات میں بھی تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔

چنانچہ آنحضورؐ عام طور پر جو سخاوت فرماتے تھے اس سلسلہ میں واقعات پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ سے جب بھی کسی نے کچھ مانگا آپؐ نے اسے خالی نہیں لوٹایا بلکہ اسے کچھ عطا فرمایا۔ ایک دفعہ ایک شخص آیا تو آپ نے دو پہاڑیوں کے درمیان وادی میں بکریوں کا پورا ریوڑ اسکے حوالے کر دیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور جا کر کہا اے میری قوم اسلام قبول کر لو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ فقر و غربت کا ان کو خوف ہی نہیں (مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضورؐ ایک نیا جبہ پہن کر ایک مجلس میں تشریف لائے ایک صحابیؓ نے مانگ لیا آپؐ نے اسے دے دیا۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب بھی حضورؐ سے مانگا گیا یا کوئی سوال

کیا گیا آپؐ نے کبھی جواب میں " لا " نہیں فرمایا۔ یعنی کبھی آپ کی زبان
سے " نہ " نہیں نکلی۔ (بخاری)

مشہور شاعر فرزدق نے خوب کہا ہے۔ جس کا حقیقی مصداق آنحضورؐ
کی ہی ذات نظر آتی ہے

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَہُّدِہٖ
لَوْلَا التَّشَہُّدُ کَانَتْ لَاءُہٗ نَعَمٗ

کہ کبھی "لا" یعنی نہ کا لفظ زبان پر نہیں لایا سوائے اس لا کے
جو تشہد یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں آتا ہے کہ
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کی یہ نہیں
بھی ہاں میں بدل جاتی۔

الغرض یہ تو حضورؐ کی سخاوت کا عام معمول تھا رمضان میں یہ سخاوت
پورے جوبن پر ہوتی تھی چنانچہ حضرت ابن عباسؓ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب
رمضان کا مہینہ آتا تو حضور ہر قیدی کو آزاد کر دیتے اور ہر سوالی کو عطا فرماتے
(بیہقی)

دنیا کی حکومتیں بڑے جشن، قومی دن اور تہواروں کے موقع پر قیدیوں
کو آزاد کیا کرتی ہیں۔ کچھ ایسے ہی رمضان کا بابرکت مہینہ آتا ہے جب
روحانیت کا سب سے بڑا جشن منایا جاتا ہے اسی لئے خدا کا رسولؐ اس
خوشی میں قیدیوں کو آزاد کر دیا کرتا تھا۔ یہی نہیں خود کائنات کا شہنشاہ
رب العالمین رمضان کی آمد آمد پر فرماتا ہے وَلِلّٰہِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ (ترمذی)

کہ رمضان کی ہر شب کئی لوگوں کو خدا آگ سے آزاد کرتا ہے۔

الغرض رمضان میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا بہت ثواب ہے
حدیث میں آیا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں خرچ کرنے میں بخل نہ کیا کرو
بلکہ اپنے نان و نفقہ پر بھی خوشی سے خرچ کیا کرو کیونکہ اس مہینہ میں
تمہارے اپنے نان نفقہ کا ثواب بھی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے برابر ہے
(جامع الصغیر) کیونکہ اس خرچ سے بھی انسان سحری اور افطاری کا انتظام
کرتا ہے اور یہ خرچ بھی عبادت پر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا بھی ثواب
رکھا ہے۔ اس لئے حدیث میں آیا کہ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا
رزق بڑھایا جاتا ہے اور نفلی صدقہ کرنے والے کو فرض کے برابر ثواب ملتا
ہے اور فرض زکوٰۃ ادا کرنے والے کو ستر فرض ادا کرنے کے برابر ثواب ملتا
ہے۔ (بیہقی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ سب سے افضل اور بہترین صدقہ وہ ہے جو رمضان میں خیرات کیا جائے
(ترمذی)

پس صدقہ و خیرات دراصل وہ سبق ہے جو روزہ ہمیں سکھلاتا ہے۔
جب انسان خود بھوکا رہتا ہے تو اسے اپنے غریب بھائیوں کی خبرگیری کرنے
کی تحریک ہوتی ہے۔ روزوں کے فدیہ کے طور پر جو مسکین کو کھانا مقرر کیا
کیا گیا اسمیں یہ حکمت بھی ہے کہ بھوکوں اور مسکینوں کو بھی کم از کم رمضان
میں تو کھانا مل جائے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:-

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے دنوں میں بہت کثرت سے صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے۔ احادیث میں آتا ہے کہ رمضان کے دنوں میں آپ تیز چلنے والی آندھی کی طرح صدقہ کیا کرتے تھے اور درحقیقت یہ قومی ترقی کا ایک بہت بڑا گُر ہے کہ انسان اپنی چیزوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے تمام قسم کی تباہیاں اس وقت آتی ہیں جب کسی قوم کے افراد میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ان کی چیزیں انہی کی ہیں دوسروں کا ان میں کوئی حق نہیں ...... دنیا کے نظام کی بنیاد اس اصل پر ہے کہ میری چیز دوسرا استعمال کرے اور رمضان اس کی عادت ڈالتا ہے"

(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۳۷۵-۳۷۶)

۲۲
رمضان المبارک کا آخری عشرہ

عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَأَحْيَا لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ (بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (رمضان کے) آخری عشرہ میں داخل ہوتے تو کمرِ ہمت کس لیتے اور اپنی رات کو (عبادت میں شب بیداری سے) زندہ کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔

تشریح:۔ جب کسی پیاری چیز کے الوداع ہونے کا وقت آتا ہے تو بے اختیار جذباتِ محبت جوش مارتے ہیں۔ کچھ یہی کیفیت ہمارے آقا سیدو مولیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ کی رمضان کی رخصتی پر ہوتی تھی۔ جب روحانیت کی بہار اپنی رونق دکھا کر رخصت ہونے کو آتی تو آپ ان آخری ایام میں کمر کس لیتے اور برکاتِ

رمضان کے حصول میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے ۔

حضرت عائشہ رضی کی ہی دوسری روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادات میں جتنی کوشش و محنت اور مجاہدہ فرماتے تھے وہ جدوجہد اس کے علاوہ ایام میں کبھی نہیں دیکھی گئی (ابن ماجہ)

معلوم ہوتا ہے ایک تو حضورؐ رمضان کی رخصتی کے اس خیال سے کہ پھر یہ پیارا برکتوں والا مہینہ سال بعد آئے گا پوری ہمت اور طاقت خرچ کرکے ان برکتوں کو حاصل کرنے کی کوشش فرماتے تھے ۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان آخری ایام میں جو خاص برکات رکھی گئی ہیں ان کا حصول بھی مقصود ہوتا تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے رمضان کے آخر میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو آگ سے آزاد کرتا ہے (بیہقی) آخری عشرہ میں آنحضورؐ اعتکاف بھی فرماتے تھے اور لیلۃ القدر کی تلاش میں راتیں بھی زندہ کرتے تھے ۔

رمضان المبارک کے اس آخری عشرہ کی ایک اور برکت آنحضورؐ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ

" رمضان کی آخری رات میں میری امت کی مغفرت ہوتی ہے ۔ آپؐ سے پوچھا گیا اے خدا کے رسولؐ! کیا رمضان کی آخری رات لیلۃ القدر ہوتی ہے فرمایا

نہیں بلکہ عمل کرنے والا جب عمل سے فارغ ہوتا ہے تو اس وقت اسے اس کا اجر دیا جاتا ہے (اور یہ مغفرت اس کا اجر ہے) (مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ)

اس لئے رمضان کی عبادات اور اعمال سے فراغت پر ان مومن بندوں کو آخری رات اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت عطا فرماتا ہے کتنے مبارک ہیں وہ روزہ دار اور رمضان کی عبادات بجالانے والے جنکو جلد ہی ان کا اجر دے دیا جاتا ہے ۔

٢٤

اعتکاف اور اسکے مسائل

عَنْ عَائِشَةَ رضـ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ
حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ
مِنْ بَعْدِهِ (بخاری کتاب الصوم)

ترجمہ :- حضرت عائشہ رضہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وفات دی آپؐ کے بعد آپکی ازواج مطہرات بھی اعتکاف فرماتی رہیں۔

تشریح :- اعتکاف کے لغوی معنے کہیں رک رہنے یا بیٹھنے کے ہیں۔ اسلام سے پہلے اعتکاف کی عبادت کا تصور اس طور پر تھا کہ اپنے آپ کو کسی عبادت گاہ یا جگہ میں ایک معینہ مدت تک روک رکھنا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں عرض کی کہ میں نے جاہلیت کے زمانہ میں ایک رات مسجد حرام (بیت اللہ شریف) میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی کیا وہ پوری کروں؟ آپؐ نے فرمایا "اپنی نذر پوری کرو" (بخاری)

گویا ان معنوں میں یہ غیر مسنون اعتکاف رمضان کے علاوہ اور دس دنوں سے کم بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن اسلامی اصطلاح میں مسنون اعتکاف یہ ہے کہ انسان رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسجد میں خاص شرائط و آداب کے ساتھ ٹھہرے۔

یہی وہ اعتکاف ہے جو آنحضورؐ کی سنّت سے ثابت ہے اور رمضان کے فرض ہونے کے بعد ہر سال آنحضور یہ اعتکاف فرماتے رہے۔ شروع شروع میں جب رمضان فرض ہوا تو ایک سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے درمیانی عشرہ میں بھی اعتکاف کیا لیکن بیسویں رمضان کو صحابہؓ سے فرمایا کہ اس آخری عشرہ میں مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی ہے اس لئے اس میں معتکف رہو۔ اسکے بعد آنحضورؐ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے رہے۔ سوائے ایک سال کے جس میں بعض خاص مصالح کی بناء پر آخری عشرہ میں اعتکاف نہ فرما سکے تو رمضان کے بعد شوال کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اس واقعہ کی تفصیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں کہ آنحضور آخری عشرہ رمضان میں اعتکاف فرماتے تھے اور میں حضورؐ کے لئے خیمہ لگواتی تھی۔ حضورؐ (بیسویں رمضان کی) نماز فجر کے

بعد اس میں تشریف لے جاتے تھے ۔ ایک سال جب میں نے حضورؐ کا خیمہ لگوایا [اعتکاف کیلئے حضورؐ کا یہ خیمہ اسطوانہ توبہ کے پیچھے ہوتا تھا جس میں حضورؐ کا بستر بچھایا جاتا تھا ۔ (ابن ماجہ)] تو حضورؐ سے پوچھ کر اپنا خیمہ بھی اعتکاف کیلئے لگوایا اس پر حضرت حفصہؓ نے بھی اعتکاف کے لئے اپنا خیمہ لگوانا چاہا تو انہوں نے بھی مجھ سے پوچھ کر خیمہ لگوایا جب حضرت زینبؓ نے یہ دیکھا تو انہوں نے ایک اور خیمہ اپنے لئے لگوا لیا ۔ صبح آنحضورؐ نے کئی خیمے لگے دیکھے تو استفسار فرمایا کہ یہ کیسے خیمے ہیں ؟ تو بتایا گیا حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، زینبؓ ..... کے اعتکاف کے خیمے ہیں ۔ آنحضورؐ نے ازواج مطہرات کو فرمایا کیا تم اسکو نیکی سمجھتی ہو ؟ اور پھر آپؐ نے ان سب خیموں کو اتارنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ اس سال حضورؐ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف نہیں فرمایا بلکہ اگلے مہینہ شوال میں دس دن اعتکاف کیا ۔

اب اعتکاف کے کچھ آداب و مسائل اور احکام بیان کئے جاتے ہیں

اعتکاف کی ابتداء بیسویں رمضان سے ہوتی ہے اور عید کا چاند نظر آنے پر معتکف کا اعتکاف مکمل ہو جاتا ہے اور وہ اعتکاف سے نکل آتا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کے بارہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور نماز فجر کے بعد اپنے مُعتَکَف (یعنی اعتکاف کے خیمہ) میں تشریف لے جاتے تھے (بخاری، مسلم)

اور علماء کے نزدیک یہ بیس رمضان کی فجر کی نماز ہوتی تھی ۔ کیونکہ دس دن اسی طرح پورے ہو سکتے ہیں اگر ۲۱ ر کی صبح کو نماز فجر کے بعد اعتکاف شروع کیا جائے تو اوّل ۲۱ ر کی رات اس سے رہ جاتی ہے جس میں لیلۃ القدر کا بھی امکان ہوتا ہے دوسرے دس دن رات پورے نہیں ہوتے ۔ علماء امت میں امام اوزاعیؒ سفیان ثوریؒ اور لیث بن سعد کے نزدیک اعتکاف دن کے پہلے حصے سے شروع ہوتا ہے تاہم ائمہ اربعہ کہتے ہیں غروب شمس سے پہلے بیس رمضان کو اعتکاف شروع کیا جائے اور ان کے نزدیک نمازِ فجر کے بعد حضور کا خیمہ میں جانا اعتکاف کے لئے نہ تھا بلکہ آپ تخلیہ میں ذکرِ الٰہی و عبادت کے لئے فجر کے بعد اس میں تشریف لے گئے ورنہ اعتکاف غروب شمس سے قبل شروع ہو جاتا ہے ۔ ہمارے نزدیک دونوں طریق درست ہیں یعنی ۲۰ ر رمضان کو نماز فجر کے بعد معتکف میں چلا جائے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ حضورؐ سے یہ ثابت ہے اور اس طرح سنت پر بھی عمل کرنے کی توفیق ملتی ہے اور اگر غروب آفتاب سے پہلے ۲۰ ر رمضان کو آکر اعتکاف بیٹھے تو بھی اس کا اعتکاف درست ہے ۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں :۔

" اعتکاف بیسویں کی صبح کو بیٹھتے ہیں کبھی دس دن ہو جاتے ہیں اور کبھی گیارہ "

(الفضل ۳ ر نومبر ۱۹۱۴ء)

معتکف کو مسجد یا اپنے معتکف میں رہ کر اپنا وقت ذکرِ الٰہی اور
عبادات، نوافل اور تلاوت قرآن کریم میں گذارنا چاہیئے۔

معتکف ضرورت کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔ مثلاً قضائے
حاجت وغیرہ یا کسی اور خاص ضرورت کے لئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں مسجد سے باہر جا کر مریض کی عیادت بھی فرما
لیا کرتے تھے لیکن راستہ میں اِدھر اُدھر کہیں نہیں جاتے تھے نہ زیادہ
وہاں ٹھہرتے تھے بلکہ جا کر عیادت کرکے واپس تشریف لے آتے تھے

بہتر یہ ہے کہ جامع مسجد (جہاں جمعہ ہوتا ہے) میں اعتکاف
بیٹھے لیکن اگر ایسی صورت میسر نہیں تو عام مسجد میں بھی اعتکاف کر
سکتا ہے اور جمعہ کیلئے جامع مسجد میں جا سکتا ہے بعض کے نزدیک
جنازہ میں بھی شامل ہو سکتا ہے۔

اسی طرح اعتکاف میں بیوی سے مباشرت بھی جائز نہیں

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ (البقرہ ۱۸۸)

فرمایا کہ جب تم مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو عورتوں
سے مباشرت نہ کرو

اعتکاف کے متعلق ایک سوال یہ ہے کہ اعتکاف کیلئے روزہ
شرط ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اعتکاف
کیلئے روزہ شرط ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ۔

لَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ

کہ اعتکاف روزہ کے بغیر صحیح نہیں۔

بعض فقہاءؒ کے نزدیک اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں۔ لیکن
جیسا کہ ظاہر ہے مسنون اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے
کیونکہ روزہ فرض عبادت ہے اور اعتکاف اسکے ساتھ تعلق رکھنے
والی ایک مسنون عبادت۔ اس لئے اَولیٰ بہتر کا ترک جائز نہیں تاہم
اگر اعتکاف کی حالت میں کوئی شخص بیمار ہو جائے اور روزہ نہ
رکھ سکے یا روزہ کھولنا پڑ جائے تو اس کا اعتکاف قائم رہتا ہے

اعتکاف میں بیوی بچے آکر معتکف سے ملاقات کر سکتے ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حضور سے ملاقات
کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لاتی تھیں۔ بلکہ ایکدفعہ حضرت
صفیہ رضؓ حضورؐ سے ملنے آئیں ان کا گھر مسجد سے کچھ فاصلے پر تھا
آنحضورؐ خود ان کو گھر تک چھوڑنے تشریف لے گئے اور دروازہ تک
چھوڑ کر واپس آئے۔ (بخاری)

لیکن بغیر مجبوری معتکف گھر نہ جائے۔ حضرت عائشہؓ بیان
کرتی ہیں کہ آنحضورؐ اعتکاف کے دنوں میں مسجد سے حجرہ کے قریب
آکر اپنا سر مبارک میری طرف کرتے تھے اور میں کنگھی کر دیتی تھی
اور حضورؐ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے سوائے قضائے حاجت کے
(بخاری و مسلم)

اعتکاف کا ثواب بھی احادیث میں بہت بیان ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارہ میں فرمایا کہ وہ مسجد میں رہ کر کئی گناہوں سے بچ جاتا ہے اور مسجد میں رہنے کے باعث جن نیکیوں سے محروم ہوتا ہے ان کا ثواب بھی اس کے حق میں لکھا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

نیز معتکف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ معتکف اپنے آپ کو کلی طور پر خدا کے حضور ڈال دیتا اور کہتا ہے کہ اے خدا مجھے تیری قسم میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ یہاں تک تو مجھ پر رحم فرمائے۔ (درِّ منثور)

پھر فرمایا خدا کی راہ میں ایک دن اعتکاف کرنے والے اور جہنم کے درمیان اللہ تعالیٰ تین ایسی خندقیں بنا دیگا جن کے درمیان مشرق ومغرب سے مابین فاصلہ سے بھی زیادہ ہوگا۔ (درِّ منثور)

اعتکاف کے دنوں میں ضرورت پڑنے پر مسجد کے کونے میں چارپائی بچھا کر سو سکتا ہے اس میں حرج نہیں بشرطیکہ نماز پڑھنے والوں کو دقت پیش نہ آئے۔ حدیث میں ہے کہ حضورؐ جب اعتکاف فرماتے تو آپؐ کا بستر اور چارپائی استوانۂ توبہ کی اوٹ میں رکھے جاتے (ابن ماجہ کتاب الاعتکاف) قضائے حاجت کے علاوہ انسان جمعہ پڑھنے کیلئے جامع مسجد جا سکتا ہے۔ لیکن باقی ضروریات مثلاً درس القرآن، اجتماعی دعا میں شرکت، بال کٹوانے، کھانا کھانے یا کسی کی مشایعت کرنے کے لئے باہر آنے کی اجازت میں اختلاف ہے

اکثر ان اغراض کیلئے مسجد سے باہر آنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ اور اعتکاف کی روح بھی اس امر کا تقاضا کرتی ہے۔ یاد رہے اعتکاف میں بال کٹوانا مسجد کے احترام کی وجہ سے ناپسندیدہ ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ سے سوال ہوا کہ معتکف دنیوی کاروبار کیلئے بات کرسکتا ہے فرمایا۔

"سخت ضرورت کے سبب کرسکتا ہے اور بیمار کی عیادت اور حوائج ضروریہ کے واسطے باہر جا سکتا ہے"

(بدر ۲۱ر فروری ۱۹۰۷ء)

معتکف کا حوائج ضروریہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں البتہ ضروری امور وضو، غسلِ جنابت، قضائے حاجت وغیرہ کیلئے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے

عورت مسجد میں اعتکاف کرسکتی ہے لیکن گھر میں ایک جگہ (مخصوص کر کے) اعتکاف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (ہدایہ)

دوران اعتکاف عورت کو ماہواری ہو جائے تو اعتکاف ترک کردے۔ اس حالت میں اس کا مسجد میں رہنا درست نہیں۔ معتکف ذکرِ الٰہی کرے اور قصوں باتوں میں وقت ضائع نہ کرے۔ لیکن چپ کا روزہ بھی درست نہیں۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ معتکف کیلئے خاموشی ناپسند ہے کیونکہ چپ کا روزہ بالکل نیکی نہیں۔ صحت اعتکاف کے لئے شرط ایسی مسجد میں

ہے جس میں نماز باجماعت ہوتی ہے۔ مجبوری کی بناء پر مسجد سے باہر بھی اعتکاف ہو سکتا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

"مسجد سے باہر بھی اعتکاف ہو سکتا ہے مگر مسجد والا ثواب نہیں مل سکتا"

(الفضل ۶ مارچ ۱۹۶۲ء)

۲۵

لیلۃ القدر

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ ھٰذَا الشَّھْرَ قَدْ حَضَرَکُمْ وَفِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ مَنْ حُرِمَھَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ وَلَا یُحْرَمُ خَیْرَھَا اِلَّا مَحْرُوْمٌ

(ابن ماجہ کتاب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رمضان کا مہینہ آیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ مہینہ تمہارے پاس آیا ہے اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ جو شخص اس رات سے فائدہ نہ اٹھا سکا وہ تمام خیر سے محروم ہوا اور اسکی خیر و برکت سے سوائے محروم انسان کے

کوئی خالی نہیں رہتا ۔

تشریح :- عربی میں 'قدر' کے معنی عزت ، اندازہ اور طاقت کے بھی ہیں ۔ لیلۃ القدر سے مراد عزت والی رات ، اندازہ والی رات ۔

لیلۃ القدر عزت والی رات اس لحاظ سے بھی ہے کہ قرآن عظیم جیسی شان والی کتاب کا نزول اسی رات میں ہوا ۔ اور اسی اعتبار سے قرآن کریم میں اسے لیلۃ مبارکۃ بھی کہا گیا ہے ۔ یعنی ہم نے قرآن کو برکتوں والی رات میں اتارا ہے ۔ (سورۃ دخان ۔ ۲)

اندازہ والی رات کے معنوں کے لحاظ سے یہ مطلب ہوگا کہ اسی رات لوگوں کے اعمال اور انکی قسمت کا اندازہ کر کے فیصلہ کیا جاتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اسی بابرکت رات میں ہر محکم امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور فرمایا کہ یہ رات تیرے رب کی طرف سے رحمت ہے جو سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

گویا اس رات خدا کی رحمتِ بے پایاں اپنے عروج پر ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے ۔

ایک اور حدیث میں بھی اسکی تشریح آئی ہے کہ جس شخص کو لیلۃ القدر میں کامل ایمان کیساتھ اور ثواب کی نیت سے عبادت کرنے کی توفیق ملے تو اس کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں (بخاری)

اس رات کی تلاش کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تاکید فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول اگر مجھے پتہ چل جائے کہ کونسی رات لیلۃ القدر ہے تو میں اس میں کیا دعا کروں؟ آنحضورؐ نے فرمایا یہ دعا کرو

" اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

(مسند احمد و ابن ماجہ)

کہ اے اللہ یقیناً تو تو بہت معاف کرنے والا ہے ۔ تو عفو کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے معاف کر ۔

لیلۃ القدر کے بارے میں تعین نہیں کی گئی کہ رمضان کی کونسی رات ہے ۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو خواب کی حالت میں لیلۃ القدر رمضان کے آخری سات دنوں میں دکھائی گئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری خوابیں آخری سات راتوں کے بارہ میں متفق ہیں (کہ ان میں لیلۃ القدر ہے) پس جو شخص لیلۃ القدر کا متلاشی ہے وہ اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے ۔ (بخاری)

یہ بھی ممکن ہے کہ سات راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کرنے کا یہ ارشاد صرف اس رمضان سے خاص ہو جس میں صحابہؓ کو یہ

رؤیا دکھائی گئیں کیونکہ دوسری روایات میں آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کی تلاش کا ارشاد ہے ۔ یا سات دن سے مراد آخری عشرہ کی مزید تخصیص ہے

حضرت ابو سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سال شروع شروع میں رمضان کے درمیانی عشرہ میں ہم حضورؐ کے ساتھ معتکف ہوئے بیسویں رمضان کی صبح حضورؐ نے ہمیں خطاب کیا اور فرمایا کہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی پھر بھلا دی گئی پس اب تم رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں اسے تلاش کرو (ہاں! لیلۃ القدر کی ایک ظاہری نشان) میں نے دیکھا ہے کہ میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں ۔ پس جو شخص میرے ساتھ درمیانی عشرہ میں معتکف تھا وہ اعتکاف میں ہی رہے چنانچہ ہم معتکف رہے اور ہم آسمان میں اس رات کوئی بادل کا نشان تک نہیں دیکھتے تھے پھر اچانک ایک بادل آیا اور برسا یہاں تک کہ مسجد کی چھت جو کھجور کی شاخوں کی تھی ٹپک پڑی ۔ نماز کھڑی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ حضورؐ کی سجدہ گاہ تر ہو گئی اور آپؐ نے کیچڑ والی جگہ میں سجدہ فرمایا ۔ بلکہ حضورؐ کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کی گیلی مٹی کا کچھ اثر بھی رہ گیا اور یہ اکیسویں کی رات تھی اور بعض روایات میں بیسویں کا ذکر ہے

(بخاری کتاب الصوم)

مختلف مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے لیلۃ القدر کی خبر دے کر بھلا دی گئی کہ کونسی رات ہے چنانچہ حضرت عبادہؓ بن صامت

فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے (گھر سے مسجد) تشریف لائے تو مسلمانوں میں سے دو آدمی جھگڑ رہے تھے ۔ حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں لیلۃ القدر کی اطلاع کرنے آیا تھا لیکن فلاں فلاں آدمی جھگڑ پڑے تو وہ رات مجھے بھول گئی اور ممکن ہے کہ اس کا بھولنا تمہارے لئے بہتر ہو ۔ پس (امسال) اس رات کو انیسویں ، ستائیسویں اور پچیسویں شب میں خاص طور پر تلاش کرو (بخاری)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات کے بھلانے میں کوئی حکمت تھی کیونکہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے اسکا بھولنا تمہارے لئے بہتر ہو ۔ اور وہ یہی حکمت ہے کہ ایک رات کا سہارا لینے اور صرف اسمیں عبادت کی بجائے آخری عشرہ کی ساری طاق راتوں میں پوری ہمت محنت اور کوشش سے مجاہدہ کرنے کی توفیق مومنوں کو حاصل ہو ۔ (بخاری)

بعض اور احادیث میں لیلۃ القدر کی بعض ظاہری علامات بیان کی گئی ہیں لیکن ان سے غالب تاثر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یا تو کسی خاص رمضان سے اُن کا تعلق تھا اور یا ان کا بیان لیلۃ القدر کی برکات کے لئے بطور تمثیل کے ہے ۔

لیلۃ القدر کی برکات میں سے ایک برکت حدیث میں یہ لکھی ہے کہ رات جبریل فرشتوں کی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے

ہیں اور جو شخص بھی کھڑے یا بیٹھے ذکرِ الٰہی میں معروف ہو ان کے لئے فرشتے دعائیں کرتے ہیں (بیہقی)

الغرض لیلۃ القدر دراصل قبولیت دعا کی ایک گھڑی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی التجاؤں کو خاص طور پر شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:-

"ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو قبولیت دعا کا وقت بتانے کیلئے باہر نکلے تھے مگر اس وقت دو آدمی آپس میں لڑتے ہوئے آپؐ نے دیکھے تو فرمایا تم کو دیکھ کر مجھے وہ وقت بھول گیا ہے مگر اتنا فرما دیا کہ ماہِ رمضان کی آخری دس راتوں میں یہ وقت ہے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ ان راتوں کے علاوہ بھی یہ وقت آتا ہے مگر رمضان کی آخری راتوں میں قبولیتِ دعا کا خاص وقت ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے تجربہ کی بناء پر فرمایا کہ ستائیسویں کی رات کو یہ وقت ہوتا ہے"

(الفضل ۳ر نومبر ۱۹۱۴ء)

۲۶

صدقۃ الفطر اور اسکے مسائل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ عَلَی الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاَمَرَ بِھَا اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ

(بخاری ومسلم)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر ایک صاع کھجور یا جَو ہر آزاد و غلام، ہر مرد و عورت اور ہر چھوٹے بڑے مسلمان پر فرض فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ لوگوں کے عید کی نماز کیلئے جانے سے پہلے یہ ادا کیا جائے۔

تشریح :- زکوٰۃ الفطر یا صدقۃ الفطر کیلئے ہمارے ہاں فطرانہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے یہ ہر مسلمان چھوٹے بڑے پر واجب ہے ۔ حتیٰ کہ جو بچہ عید کے روز نمازِ عید سے پہلے پیدا ہو اس کی طرف سے بھی ادا کیا جائے ۔ امام ابو حنیفہؒ اور تمام علماء کے نزدیک فطرانہ فرض نہیں واجب ہے جیسا کہ دوسری روایات میں واجب کے الفاظ بھی ہیں ۔ لیکن امام مالکؒ کے نزدیک یہ سنت ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرانہ کی حکمت بھی بیان کی اور فرمایا کہ صدقۃ الفطر روزہ دار کو لغو اور گندی چیزوں سے پاک کرنے کا ذریعہ ہے اور مساکین کے لئے کھانے کا سامان مہیا کرتا ہے جو شخص نمازِ عید سے قبل اسے ادا کرے تو اس کا صدقۃ الفطر یا فطرانہ قبول ہوتا ہے اور نماز کے بعد ادا کرنے تو وہ عام صدقہ ہوگا فطرانہ شمار نہ ہوگا ۔ (ابوداؤد)

یعنی جس طرح انسان کے گناہوں کے ازالہ کا ایک ذریعہ استغفار اور نوافل اور دوسری عبادات ہیں اسی طرح صدقہ بدتو بلا بھی ہے اور گناہوں کا کفارہ بھی کرتا ہے ۔ اس لئے حضورؐ نے ایک حکمت تو یہ بیان فرمائی کہ روزہ میں انسان سے جو کوتاہی رہ جائے صدقۃ الفطر گویا اس کی تلافی کا ذریعہ ہے ۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ غریب مسکین لوگ جن کے پاس عید

کے اخراجات کیلئے کچھ رقم نہیں ہوتی ۔ انہیں عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کا ذریعہ ہے ۔ اسی لئے فرمایا کہ صدقۃ الفطر عید سے پہلے ادا کیا جائے ۔ حضرت ابن عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ آپؓ عید سے ایک یا دو دن قبل فطرانہ ادا فرماتے تھے ۔ ہر کس یا فرد پر ایک صاع کھجور یا جَو یا ان کے برابر قیمت ادا کرنی مقرر ہے ۔ صاع عربوں کے ماپ کا پیمانہ ہے جس میں دو رطل (پونڈ) ہوتے ہیں اس طرح ایک صاع میں کل آٹھ پونڈ ہوئے ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ بھی بیان فرماتے ہیں جَو، کھجور، منقہ وغیرہ کا ایک صاع صدقۃ الفطر میں ہر کس کی طرف سے دیا جاتا تھا ۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب مدینہ میں گندم بھی کثرت سے آنے لگی اور لوگ گندم سے صدقہ دینے لگے ، تو حضرت عمرؓ نے گندم کا نصف صاع یعنی ۴ پونڈ دوسری چیزوں کے بالمقابل مقرر فرمایا (ابوداؤد) کیونکہ گندم شام سے آتی تھی اور دوسری چیزوں کی نسبت مہنگی تھی (ترمذی)

حضرت ابو سعید خدریؓ گندم کے نصف صاع کے بارہ میں بعد کے زمانہ کی ایک روایت کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صدقۃ الفطر ہر چھوٹے بڑے غلام آزاد کی طرف سے کھانے کی کسی چیز کھجور، پنیر، جَو، منقہ وغیرہ کا ایک صاع ایک فرد کی طرف سے دیا کرتے تھے ۔ حضرت معاویہؓ (جب شام کے گورنر تھے) آپ عمرہ یا حج کرنے آئے اور لوگوں کو خطاب کیا ۔ اس خطاب میں انہوں

نے یہ بھی کہا کہ شام کی گندم کے دو مد (یعنی چار پونڈ) (قریباً دو سیر) میرے نزدیک کھجور کے ایک صاع (آٹھ پونڈ) کے برابر ہیں ۔ اس لئے لوگوں نے اس کے بعد سے یہ طریق اختیار کر لیا کہ نصف صاع گندم ایک فرد کی طرف سے فطرانہ دینے لگے ۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کہا کرتے تھے جب تک زندہ ہوں میں تو یہی ایک صاع ادا کرتا رہوں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کرتا تھا ۔ (ترمذی)

ان احادیث کی بناء پر امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کا تو یہ مذہب ہے کہ گندم، کھجور وغیرہ ہر چیز کا ایک صاع ہی دیا جائے کیونکہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہی رائج تھا ۔ اور امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ سفیانؒ ثوری اور بعض دوسرے آئمہ کے نزدیک نصف صاع گندم سے صدقۃ الفطر ادا ہو جاتا ہے ۔

ہماری جماعت نے ان دونوں طریق کو اپنایا ہوا ہے کہ صاحبِ استطاعت لوگ بے شک ایک صاع گندم کے برابر قیمت ادا کریں اور جو ایک صاع ہر کس کی طرف سے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ نصف صاع گندم کے برابر قیمت ادا کریں ۔

حالات کے مطابق گندم کی جو قیمت ہو اس لحاظ سے ایک صاع یعنی قریباً دو سیر گندم کی قیمت کا اندازہ کر کے اعلان کر دیا جاتا ہے اور احباب جماعت کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہیں تو ایک صاع کی قیمت

جو مثلاً قریباً چار روپے ہو تو وہ ادا کریں یا دو روپے نصف صاع کی قیمت۔ کیونکہ پہلا طریق حضور سے ثابت ہے تو دوسرا خلفاء راشدین سے ۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صدقۃ الفطر غیر مسلم غلام کی طرف سے بھی ادا کرنا چاہیئے ۔

صدقۃ الفطر رمضان کے داخل ہونے سے ہی واجب ہو جاتا ہے تاہم اس کی ادائیگی عید کی نماز سے قبل یکم شوال تک ضروری ہے تاہم بہتر یہی سمجھا جاتا ہے کہ غرباء کو عید کی تیاری کیلئے پہلے فطرانہ دے دیا جائے ۔ تاکہ وہ بھی عید کی خوشیوں میں برابر کے شریک ہو سکیں

۲۷
نفلی روزے

"عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ فَذَالِکَ صِیَامُ الدَّھْرِ" (ترمذی کتاب الصوم)

ترجمہ :- حضرت ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ صیام الدھر یعنی سارے سال کے روزے ہیں۔

تشریح :- نفل وہ زائد عبادت ہے جو بندہ خوشی سے اپنے مولیٰ کو راضی کرنے کیلئے بجا لاتا ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ بندہ کی نفل عبادت سے بہت خوش ہوتا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ برابر میرا قرب حاصل کرتا چلا جاتا ہے (بخاری)

نفلی روزں کا بھی بہت ثواب ہے ۔ جو مختلف مواقع پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی روزوں کی تحریک کرتے ہوئے بیان فرمایا ۔ چنانچہ حدیث مذکورہ بالا میں رمضان کے تیس روزوں کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے کا ارشاد فرمایا اور اس کا ثواب سال بھر کے روزوں کے برابر بتایا حساب کی زبان میں اسمیں یہ سرّ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب اللہ تعالیٰ دس گنا عطا فرماتا ہے اور ۳۶ روزوں کا ثواب ۳۶۰ دنوں کے برابر بنتا ہے جو قریباً ایک سال کا عرصہ ہے۔ لیکن اصل حکمت رمضان کے فرض روزوں کے ساتھ شوال کے نفلی روزوں میں نیکی کا تسلسل ہے ۔ اور اس امر کی تربیت ہے کہ رمضان کا مجاہدہ اور اس کی عبادات صرف ایک مہینہ تک محدود نہ رہیں بلکہ سارے سال پر پھیل جائیں اور رمضان کے علاوہ باقی ایام میں بھی ان نیکیوں کی عادت رہے ۔ اور ظاہر ہے جسے رمضان کے بابرکت مہینہ کا یہ نتیجہ حاصل ہو جائے اس کا سارا سال کیا سارا زمانہ اور ساری عمر رمضان ہے جس میں وہ رمضان کی برکتیں حاصل کرتا چلا جائے گا ۔ ماہ رمضان کے اس تسلسل کو دوران سال جاری رکھنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر مہینے میں تین روزے رکھتا ہے وہ صوم الدھر یعنی سال بھر روزے رکھنے والے کے برابر ہے (ترمذی)

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ اس کی تصدیق اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ایک نیکی کے دس گنا ثواب کا ذکر ہے ۔ کہ

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام:۱۶۱)

گویا ایک دن کا روزہ دس دنوں کے برابر ہے (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تین وصیتیں فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی ہر مہینہ میں تین نفلی روزے رکھنا (ترمذی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے ابوذر اجب تم مہینہ میں سے تین دن کے روزے رکھنا چاہو تو ۱۳، ۱۴ اور پندرہ چاند کی تاریخوں میں روزے رکھنا (ترمذی) لیکن ان تاریخوں کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مہینہ میں نفلی روزے رکھنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہیں (ترمذی)

ذوالحجہ کے پہلے نو دنوں کے نفلی روزے بھی (غیر حاجیوں کیلئے) بہت ثواب اور برکت کا باعث ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذوالحجہ کے دس میں عبادت کرنا بہت ہی پسندیدہ ہے۔ ان ایام میں ایک دن کے روزہ کا ثواب سال بھر کے روزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ (ترمذی) لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باقاعدگی اور اہتمام سے ذوالحجہ کے روزے نہیں رکھتے تھے شاید امت پر شفقت اور اس کی سہولت کیلئے۔ محرم میں روزے رکھنے کے بارہ میں فرمایا کہ رمضان کے مہینہ کے بعد افضل روزے محرم کے نفلی روزے ہیں (ترمذی) ایک شخص کے سوال پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر رمضان کے بعد روزے رکھنے چاہو تو محرم میں رکھا کرو یہ اللہ کا ایسا مہینہ ہے جسمیں خدا تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی اور اس مہینہ میں ایک اور قوم پر بھی وہ رجوع برحمت ہوگا (ترمذی)

اسی طرح عاشورہ (یعنی دسویں محرم) کا نفلی روزہ رکھنا بھی بہت پسند فرمایا بعض روایتوں میں نویں اور دسویں محرم کو روزہ رکھنے کا ذکر ہے (ترمذی) دسویں محرم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی اس خوشی میں یہ روزہ رکھنے کی تلقین آئی ہے۔ (بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ عاشورہ کا روزہ پورے سال کا کفارہ ہوجاتا ہے (ترمذی)۔ یہاں پورے سال کا کفارہ یا پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سال میں ایک روزہ ایسے دن کا رکھ لو اور پھر جو چاہو کرو۔ بلکہ نفلی عبادات کی تحریک کیلئے خدا کے لامحدود خزانوں جو زیادہ سے زیادہ ثواب مل سکتا ہے اس کا ذکر ہے اور یہ ثواب انہی لوگوں کو ملتا ہے جو اوّل فرائض کی بجا آوری کرنیوالے ہوں؛ کیونکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس سے وہ راضی ہوتا ہے۔ خدا کی مرضی کے مطابق فرض تو ادا نہ کرے اور اپنی مرضی سے نفل ادا کرکے حسابی طور پر ثواب حاصل کرکے اور خدا کو راضی کرنا چاہے تو اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوسکتی ہے۔

اسی طرح یوم عرفہ یعنی ۹ ذوالحجہ کا روزہ (جس دن حاجی میدانِ عرفات میں ہوتے ہیں) غیر حاجیوں کیلئے رکھنا مستحب ہے۔ اور اس کا بہت ثواب ہے۔ (ترمذی) حضورؐ نے بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھنے کی اجازت ایک صحابی کو ان کے ایک سوال پر فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوموار اور جمعرات کا روزہ خاص اہتمام سے رکھا کرتے تھے۔ (ترمذی)

عین ممکن ہے کہ اپنے کام اور اوقات کی تقسیم کار کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو دن انتخاب فرمائے ہوں ان دنوں کی فضیلت کے ساتھ ان کے روزے رکھنے کا کوئی تعلق نہیں۔ ورنہ سب سے پہلے جمعہ کا روزہ رکھنے کا حکم ہوتا لیکن اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنے سے منع فرمایا کہ اس دن کی فضیلت کے پیش نظر کوئی اس کا روزہ نہ رکھے۔ اس روز اور بھی مصروفیات اور کام ہوتے ہیں۔ اسلئے جمعہ کی عبادت اور خطبہ وغیرہ سننا اور جمعہ کی تیاری صفائی غسل وغیرہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

ہفتہ کو یہودی سبت مناتے اور اس کی تعظیم کرتے تھے اس دن کے روزے سے بھی حضور نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ سوائے فرض روزوں کے ہفتہ کو کوئی نفلی روزہ نہ رکھا کرو اور کوئی معمولی سی چیز بھی مل جائے تو وہ کھالو اور اس روز فاقہ کی وجہ سے بھی روزہ نہ رکھو (ترمذی)

نیز پارسیوں کی طرح نیروز و مہرگان کے دن روزہ رکھنا اور صوم دہر یعنی بلا ناغہ روزے رکھتے چلے جانا بھی منع ہے۔ عید کے دن اور ایام تشریق یعنی ذوالحجہ کی ۱۱، ۱۲ تاریخ کا روزہ رکھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اہل اسلام کی عید اور کھانے پینے کے دن ہیں اس لئے ان دنوں میں روزہ نہ رکھا جائے (ترمذی)

نفلی روزہ کیلئے رات کو نیت کرنا ضروری نہیں۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاکر پوچھتے کہ ناشتہ کیلئے کوئی چیز ہے؟ میں اگر کہتی کہ نہیں ہے تو آپؐ فرماتے اچھا میں روزہ رکھ لیتا ہوں (ترمذی)

نفلی روزہ کھولنے کا وہ کفارہ نہیں جو فرض روزے کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ ہانیؓ کے پاس تشریف لائے اور پانی منگوایا حضورؐ نے پانی پی کر برتن ان کو واپس کیا تو انہوں نے حضورؐ کا بچا ہوا پانی پی لیا پھر عرض کی کہ حضورؐ مجھے روزہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قضا کا روزہ تو نہیں تھا۔ اُم ہانی نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر حرج نہیں ہے۔ نیز فرمایا

"نفلی روزے والا اپنے نفس کا خود امین ہوتا ہے چاہے تو روزہ پورا کرے چاہے تو افطار کرے"
(ترمذی)

لیکن اگر روزہ افطار کردے تو اس کی بجائے ایک

روزہ رکھنا ہوگا

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ حفصہ رضؓ کو اور مجھے روزہ تھا ہمیں ہمارا پسندیدہ کھانا پیش کیا گیا جو ہم نے کھالیا اور روزہ کھول دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت حفصہ رضؓ نے حضورؐ کو یہ واقعہ بتایا حضورؐ نے فرمایا

"اس کے بجائے ایک دن کا روزہ رکھ لینا" (ترمذی)

ایک اور موقع پر حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی روزہ کھول دیا آپؐ نے صبح آکر کھانے کا پوچھا میں نے عرض کیا کہ حضور "حَیْس" (ایک عمدہ کھانا) کا تحفہ آیا ہے۔ فرمایا صبح سے مجھے روزہ تھا۔ پھر حضورؐ نے کھانا تناول فرمایا (ترمذی)

نفلی روزہ کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر رمضان کے علاوہ کوئی روزہ نہ رکھے جب کہ اس کا خاوند موجود ہو (ترمذی)

اسی طرح فرمایا کہ

• جب کوئی کسی کے ہاں مہمان ٹھہرے تو ان کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے" (ترمذی)

• اگر کوئی نفلی روزے کی حالت میں دعوت دے تو اسے قبول کرے اور وہاں جاکر دعا کر دے اور بتادے

کہ مجھے روزہ ہے۔ (ترمذی)

حضرت مصلح موعود رضؓ فرماتے ہیں۔

" تمام مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ مختلف اوقات میں روزے رکھا کریں مگر رمضان کے مہینہ میں دنیا کے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی گوشہ میں رہتے ہوں ایک ہی وقت میں روزہ رکھنے کا حکم ہے"

(دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۲۹۵)

(۲۸)

غیر معمولی علاقوں میں روزہ

.... قُلْنَا وَمَا لُبْثُهُ فِی الْاَرْضِ قَالَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ اَيَّامِهٖ كَاَيَّامِكُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَالِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَسَنَةٍ اَتَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا اُقْدُرُوْا لَهٗ قَدْرَهٗ (مسلم کتاب الفتن)

ترجمہ:- (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجّال کا ذکر فرمایا تو صحابہؓ کہتے ہیں) ہم نے عرض کی وہ کتنا عرصہ زمین میں ٹھہرے گا فرمایا چالیس دن ۔ کوئی دن سال کے برابر کوئی دن مہینہ کے برابر اور کوئی دن ایک ہفتہ کے برابر ہے ۔ اور اس کے باقی دن تمہارے دنوں کی طرح ہیں ۔ ہم نے عرض کی اے خدا کے رسول! وہ دن جو سال کے برابر ہے کیا اسمیں ایک دن کی نماز ہمیں کافی

ہے فرمایا نہیں اس دن میں وقت کا اندازہ کرلینا۔

تشریح:- اسلام ایک کامل مذہب ہے اور اس کا پیغام، تعلیم اور شریعت عالمگیر ہے ۔ اسلام کے احکام عبادت کی رُو سے نماز روزہ کی فرضیت بھی دنیا کے ہر علاقہ میں قائم ہے اور کسی علاقہ کے غیر معمولی حالات کی وجہ سے یہ فرضیت ساقط نہیں ہوسکتی ۔ مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں نئی قوموں اور نئے علاقوں کی دریافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں سے بعض کے دن سال کے برابر بعض کے مہینوں یا ہفتوں کے برابر ہوں گے ۔ اسپر صحابہؓ نے پوچھا کہ ایسے غیر معمولی اوقات اور لمبے دنوں کو کیا ایک دن تصور کیا جائے اور ایک دن کی عبادت کا حکم اسپر لگایا جائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُقْدُرُوْا لَهٗ قَدْرَهٗ کہہ کر فرمایا کہ ایسے غیر معمولی اوقات میں دن کا اندازہ کرلینا اور ایک اوسط اندازاً وقت دن کے لئے مقرر کرلینا ۔

یہاں اس امر کی تفصیل و وضاحت کی ضرورت ہے کہ وہ کونسے غیر معمولی علاقے ہیں جن کے اوقات غیر معمولی ہیں ۔

دوسرے ان میں کیا غیر معمولیت پائی جاتی ہے اور تیسرے ان علاقوں میں اندازہ سے عبادت کے اوقات مقرر کرنے کا کیا طریق ہے ۔

اوّل امر کا جواب یہ ہے غیر معمولی علاقوں سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں (الف) دن رات ۲۴ گھنٹوں سے زیادہ ہیں (ب) جہاں

دن رات اگرچہ ۲۴ گھنٹوں کے ہیں لیکن ان میں باہمی فرق اتنا زیادہ
ہے کہ جہاں قرآن و سنت کی رو سے پانچ معروف اوقات
کی تفریق ممکن نہیں مثلاً وہ علاقے جہاں شفقِ شام اور شفقِ صبح کے
درمیان امتیاز نہیں رہتا یعنی درمیان میں شفق غائب نہیں ہوتی۔ وہ
علاقے جہاں دن رات اگرچہ ۲۴ گھنٹوں کے ہیں اور شفقِ صبح اور شفقِ
شام میں امتیاز بھی ہو جاتا ہے لیکن ان میں فاصلہ اتنا تھوڑا ہوتا ہے
کہ انسان کے طبعی حالات معروف اوقات کی پابندی کی اجازت نہیں دیتے
مثلاً عشاء اور طلوعِ صبح کے درمیان اتنا تھوڑا وقت ہوتا ہے کہ نمازِ فجر
طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھ لینے کی صورت میں عام آدمی طبعی اور جسمانی لحاظ
سے اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔

سال کے بعض ایام میں یہ طریق واضح ہو۔ ان میں معروف ترتیبِ
اوقات کی پابندی ضروری ہے اور ان ایام میں یہ علاقے غیر معمولی قرار
نہیں دیئے جائیں گے۔ غیر معمولی علاقوں میں سویڈن، ناروے، ڈنمارک،
فن لینڈ، ہالینڈ، سکاٹ لینڈ وغیرہ شامل ہیں۔

ان علاقوں کے اوقات میں غیر معمولی فرق کی ایک مثال انگلستان کے اوقات
کی مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً انگلستان میں زیادہ سے زیادہ چھوٹا دن [illegible] مقام میں [illegible] کو
۷ گھنٹے ۵۵ منٹ کا ہوتا ہے اور [illegible] سب سے کم چھوٹا دن ۵۶-۶
کا ہوتا ہے۔ ۲۲ جون کو سب سے لمبا دن [illegible] میں ۴۴-۲۰

اور کم سے کم لمبا دن لندن میں ۲۸-۱۶ منٹ گھنٹے کا ہوتا ہے۔

سویڈن میں اوقات کے لحاظ سے اوسط درجے کا شہر سٹاک ہالم
کو قرار دیا جا سکتا ہے جہاں ۲۲ دسمبر کو چھوٹے سے چھوٹا دن ۵۸-۵ منٹ گھنٹے کا
اور ۲۱ جون کو لمبے سے لمبا دن ۳۱-۱۸ منٹ گھنٹے کا ہوتا ہے۔

ان مثالوں میں رات دن کے اوقات کا غیر معمولی ہونا ظاہر ہے لیکن
معمول کے لحاظ سے بعض دنوں میں صرف تین گھنٹے کا دن ہوتا ہے اور بعض میں
ساڑھے بائیس گھنٹے کا روزہ بنتا ہے اور عام دنوں میں ۱۸ گھنٹے
تک کا روزہ ہو سکتا ہے۔

ان غیر معمولی اوقات میں بہر حال اندازہ کرنا پڑے گا۔ حضرت
مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رمضان کے مہینہ میں دنیا کے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی
گوشہ میں رہتے ہوں ایک ہی وقت میں روزہ رکھنے کا
حکم نہیں۔ وہ صبح کو پو پھٹنے سے پہلے کھانا کھاتے ہیں
اور پھر سارا دن سورج کے ڈوبنے تک نہ کھاتے ہیں نہ
پیتے ہیں۔ سورج ڈوبنے کے بعد صبح تک ان کو کھانے پینے
کی اجازت ہوتی ہے۔ جہاں دن ۲۴ گھنٹے سے
کم ہیں اور جہاں رات اور دن ۲۴ گھنٹوں کے اندر الگ
الگ وقتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اس شکل میں جو
اوپر بیان کی گئی ہے۔ لیکن جن ملکوں میں رات اور دن

چوبیس گھنٹوں سے لمبے ہو جاتے ہیں ان علاقوں میں رہنے
والوں کے لئے صرف وقت کا اندازہ کرنے کا حکم ہے"

(دیباچہ تفسیر القرآن (اردو) صفحہ ۲۹۵)

۱۹۵۰ء میں مبلغ سیکنڈے نیویا کو وکیل التبشیر صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح
الثانی رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ بھجوایا۔

"ایسے ملک کے لئے یہ حکم ہے کہ بارہ گھنٹے کا روزہ رکھیں
سورج کے نکلنے اور غروب ہونے کا انتظار نہ کریں کھولنے
اور سحری کے اوقات مقرر کریں اسی طرح نماز کے یہ
وہ تشریح ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی
ہے" (بحوالہ ۲۹۶۰ / ۲۷.۸.۵۷ فائل دینی مسائل)

روزہ کے متعلق اندازہ کے اس اصول میں آسانی کیلئے
فجر اور مغرب کے اندازاً وقت کے ساتھ بھی ملایا جا سکتا ہے
مثلاً ۱۲ رجون کو سٹاک ہالم میں نماز فجر کا وقت اندازہ
کے مطابق ۵ بجے تا ۶½ بجے اور مغرب کا وقت ۴½
بجے تا ۵½ بجے مقرر کیا جا سکتا ہے۔
(جبکہ سٹاک ہالم میں ۱۲ رجون کو طلوع شمس کا وقت
۲-۵۷ اور غروب شمس کا وقت ۹،۰۳ ہے اور دن
۱۸ گھنٹے کا ہے۔)

اس اصول کے مطابق اگر روزہ کا وقت فجر کے مقررہ وقت

پر ختم ہو تو اسطرح روزہ ۱۲ گھنٹے کا ہوگا۔

الغرض دیگر علاقوں میں بھی اسی طرح روزہ کے اوقات
مقرر کئے جا سکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس اعتراض کے جواب میں کہ جہاں
۶ ماہ تک سورج نہیں چڑھتا روزہ کیونکر رکھیں۔ فرمایا

"اگر ہم نے لوگوں کی طاقتوں پر انکی طاقتوں کو قیاس کرنا
ہے تو انکی قوتی کی جو حمل کا زمانہ ہے مطابق کرکے دکھلانا
چاہیئے پس ہمارے حساب کی اگر پابندی لازم ہے تو ان
بلاد میں صرف ۴½ دن میں حمل ہونا چاہیئے اور اگر ان کے
حساب کی تو دوسو چھیاسٹھ برس تک بچہ پیٹ میں رہنا
چاہیئے اور یہ ثبوت آپ کے ذمہ ہے کہ حمل صرف ڈیڑھ دن
تک رہتا ہے۔ لیکن دوسو چھیاسٹھ برس کی حالت میں یہ تو
ماننا کچھ بعید القیاس نہیں کہ وہ چھ ماہ تک روزہ بھی رکھ سکتے
ہیں۔ کیونکہ ان کے دنوں کا یہی مقدار ہے۔ [illegible] کے
ان کے قویٰ بھی ہیں" (جنگ مقدس صفحہ ۱۶۳)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے آپکے پہلے بیرونی
تاریخی دورۂ خلافت (۱۹۸۲ء) کے دوران کوپن ہیگن ڈنمارک میں ایک
مجلس سوال و جواب میں یہ سوال ہوا کہ [illegible] لینڈ میں (جہاں چھ ماہ دن اور

چھ ماہ رات ہوتی ہے) رمضان کے روزے کس طرح رکھے جا سکتے ہیں

آپ نے فرمایا یہ بہت اہم سوال ہے۔ یہی سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے کیا تھا۔ اور میں بھی آنحضرت کا بیان فرمودہ جواب ہی دہراؤں گا اس لحاظ سے یہ کوئی نیا یا جدید سوال نہیں ہے یہ سوال اتنا ہی پرانا ہے جتنا پرانا اسلام کا مذہب ہے بات اس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ جس طرح تم ایک دن کو چوبیس گھنٹے شمار کرتے ہو، یا چار پہر کا جو قریباً چوبیس گھنٹے کے ہوتے ہیں حساب کرتے ہو۔ یہ حساب ہمیشہ اسی طرح نہیں ہوگا۔ اور مستقبل میں ایسی جگہیں بھی دریافت ہو سکتی ہیں جہاں پر ایک دن کئی ماہ کا ہوگا۔ یہ بات آنحضورؐ کو الہاماً بتائی گئی اور یہ کہا گیا کہ کے وقت ایسے بھی دن دریافت ہوں گے جو چوبیس گھنٹے کے نہ ہوں گے بلکہ اس سے زیادہ لمبے ہوں گے اور ان کی طوالت چھ ماہ تک بھی ہو سکتی ہے۔

جب یہ عجیب و غریب انکشاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ پر کیا تو ان میں سے ایک نے آپ لوگوں کی طرح نماز روزہ اور دیگر باتوں کے بارے میں تجسس کا اظہار کیا اور پوچھا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم ان دنوں میں ہوئے تو ہم کیا کریں گے۔ کیا ہم ۶ ماہ کے ایک دن میں صرف پانچ نمازیں ادا کریں گے اور کیا یہ ہمارے لئے کافی ہوگا؟ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب یہ دیا۔ نہیں! یہ اللہ کا حساب ہے کہ ۲۴ گھنٹے کے دوران پانچ بار اللہ تعالیٰ

کو یاد کیا جائے۔ اور یہ ایک قدرتی تقسیم ہے جو انسان کی ضروریات سے مطابقت رکھتی ہے مثال کے طور پر ایک دن میں تم کم از کم تین بار کھانا کھاتے ہو۔ بعض جگہوں پر دن میں چار یا پانچ بار بھی کھانا کھایا جاتا ہے۔ کہیں کہیں پر دن میں دو بار بھی کھاتے ہیں

اگر کوئی انسان چھ ماہ کے ایک دن والی جگہ پر چلا جائے تو کیا وہ چھ ماہ کے عرصے میں صرف تین بار کھانا کھائے گا اس خیال سے کہ دن چھ ماہ کا ہے؟ قدرتی طور پر آپ یہی کہیں گے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے روحانی غذا کے لئے بھی انہی اوقات کا اطلاق ہوگا۔

یہ وہ جواب تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ۲۴ گھنٹے ایک دن کی طوالت کا حساب ہے اور اللہ کی عبادت وقت کے اسی مخصوص حساب سے کیجاتی ہے۔ اسی لئے اگر دن لمبے ہوں تو آپ اپنی عبادت کے اوقات اس معیار سے طے کریں نہ یہ کہ چھ ماہ کے دن کے حساب سے۔ یہ وہ بنیادی راہ نمائی کرنیوالا جواب ہے جس کا اطلاق آج کی دنیا میں پیدا ہونیوالی ہر قسم کی صورتِ حال پر ہوتا ہے، اب روزے کے بارے میں ایک اور خوبصورت نکتہ بھی ہے۔ قرآن کریم کی آیات اتنی متوازن ہیں اور ایسی باریکی اور حکمت سے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے کہ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا جواب انہی آیات میں واضح طور پر نہ دیا گیا ہو۔ قرآن کریم روزے کا عرصہ معین کرتا ہے اور اس کا تعلق آسمان پر ظاہر ہونیوالے بعض نشانات سے ہے اگر ان میں سے کوئی بھی نشان موجود نہیں ہے تو اس

طریق سے روزے کے وقت کا تعین کرنا خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اب ان جگہوں پر دن اتنے لمبے ہیں کہ جہاں روزہ رکھنا انسانی طاقت اور برداشت سے باہر ہو جاتا ہے۔ ایسی جگہوں پر وہ نشانیاں جو قرآن کریم نے بتائی ہیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کہتا ہے کہ روزہ رکھنے کا وقت وہ ہوتا ہے جب رات کی سیاہی دن کی روشنی سے علیحدہ ہو جائے جب ایک سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے علیحدہ نظر آنے لگے۔ اب چونکہ ایسی جگہوں پر یہ طریق ممکن نہیں اس لئے وقت کے تعین کا یہ طریق از خود ختم ہو جائے گا۔ ایسی جگہوں پر روزے کے تعین کیلئے اس طریق کو اختیار کرنا ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام دنوں کی طوالت کے لئے بیان فرمایا ہے جن میں یہ تمام شرائط پوری ہوتی ہیں۔

بالکل یہی وہ طریق ہے جو جماعت احمدیہ تجویز کرتی ہے۔"

(الفضل ۱۶ر مئی ۱۹۸۳ء)

۲۹

عیدِ صیام

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رض ابْنِ عَوْفٍ قَالَ شَهِدْتُ
عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رض فِيْ يَوْمِ النَّحْرِ بَدَأَ
بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ
صَوْمَيْنِ هٰذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ اَمَّا يَوْمُ الْفِطْرِ
فَفِطْرُكُمْ مِنْ صَوْمِكُمْ وَعِيْدٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ
وَاَمَّا يَوْمُ الْاَضْحٰى فَكُلُوْا مِنْ لُحُوْمِ نُسُكِكُمْ

(ترمذی ابواب الصوم)

ترجمہ:۔ حضرت عبدالرحمٰن رض بن عوف بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک عید الاضحی میں شامل ہوا۔ آپ رض نے (مسنون طریق کے مطابق) پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔ پھر فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ ان دو عید کے دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ "یوم الفطر" تو

تمہارے روزے چھوڑنے کا دن ہے اور مسلمانوں کی
عید ہے اور یوم الاضحیٰ میں تم اپنی قربانیوں کے گوشت
کھایا کرو۔

تشریح:۔ عید الفطر مسلمانوں کیلئے خوشی اور مسرت کا دن اور
اور مذہبی تہوار ہے۔ جو مسلمان ایک مہینہ خدا کی خاطر اس کے حکم
کے مطابق بھوکا پیاسا رہتے اور روزے رکھنے کے بعد اس خوشی میں
مناتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی توفیق ملی اور اپنے
خالق و مالک کو راضی کرنے کے وافر مواقع ہاتھ آئے۔ اس بابرکت تہوار
کیلئے بھی ہمارے آقا اور سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے
آداب سکھائے اور ہدایات دیں۔

عید کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص صفائی کا اہتمام
فرماتے۔ غسل فرماتے، مسواک اور خوشبو کا استعمال کرتے اور صاف
ستھرا لباس زیب تن فرماتے۔ اگر میسر ہوں تو نئے کپڑے پہنتے۔ مسلمانوں
کے اس قومی و مذہبی تہوار میں شمولیت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم خاص تحریک فرماتے تھے۔

حضرت ام عطیہؓ بیان فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں
ارشاد فرماتے تھے کہ ہم عیدین کے دن سب لوگ عورتیں بچے عید پر
جائیں یہاں تک کہ حائضہ عورتوں کو بھی عید اور اس کی دعا میں شامل
ہونے کا حکم ہوتا اور وہ نماز میں شامل نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ اتنا تاکیدی

ارشاد اس بارہ میں فرمایا کہ اگر کسی لڑکی کے پاس اوڑھنی نہ ہو
تو وہ کسی سہیلی سے مانگ لے اور عید پر ضرور جائے۔ (بخاری و مسلم کتاب العیدین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے روز صبح کچھ طاق
کھجوریں تناول فرما کر عید پر جاتے تھے۔ البتہ عید الاضحیٰ کے دن
آپ قربانی کے گوشت سے کھانا شروع کرتے تھے (بخاری) آپؐ کا
معمول تھا کہ ایک راستے سے عید گاہ میں تشریف لے جاتے اور دوسرے
راستے سے واپس تشریف لاتے (بخاری)، تاکہ مسلمانوں کے تہوار
کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہو اور باہم بھی ملاقات اور خوشی کے زیادہ
مواقع میسر آئیں۔ اگر بارش وغیرہ کے باعث عید گاہ میں نماز عید
کے لئے نہ جا سکیں تو محلہ کی مسجد میں ہی نماز عید ادا کی جا سکتی ہے

عید کے دن کھیل اور ورزشی مقابلے بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ
حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ عید کے موقع پر اہل حبشہ ڈھال اور
برچھی سے اپنے کھیل اور مہارت کے فن دکھاتے تھے۔ شاید میں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا آپؐ نے خود فرمایا کہ کیا ان کے کھیل
کرتب دیکھنا چاہتی ہو میں نے کہا ہاں! تب آپؐ نے مجھے اپنے پیچھے
کھڑا کر لیا۔ اس طرح کہ میرا رخسار آپؐ کے رخسار کے ساتھ تھا۔ آپؐ
کھیلنے والوں کا خوب حوصلہ بڑھاتے رہے۔ پھر میں خود ہی تھک گئی
تو آپؐ نے مجھے فرمایا بس کافی ہے۔ میں نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا
اچھا تو جاؤ (بخاری) اسی طرح عید کے دن رونق کیلئے گیت وغیرہ

سننے میں بھی حرج نہیں بشرطیکہ وہ جائز حدود میں ہوں۔ حضرت عائشہ رضؓ کی ہی روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن انصار کی دو لڑکیاں میرے پاس بیٹھی جنگ بُعاث کے نغمے سنا رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ اپنے بستر پر آکر دوسری طرف منہ کرکے لیٹ گئے تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو ان لڑکیوں کو گاتے دیکھ کر مجھے ڈانٹا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطانی گانا؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکرؓ! ہر قوم کی عید کا ایک دن ہوتا ہے۔ اور یہ ہماری عید کا دن ہے۔ (بخاری) لیکن اچھے کھانے خوبصورت کپڑے اور کھیل کود تو ظاہری خوشی کے اظہار کے طریقے ہیں ایک مسلمان کی حقیقی خوشی اور سچی عید تو یہ ہے کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو جائے اس لئے تیس دن کے روزے رکھنے کے بعد عید کے روز مسلمان خدا تعالیٰ کے شکرانہ کے طور پر دو رکعت نماز عید بھی ادا کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا امام ان کو نیکی اور تقویٰ اور دیگر ضروری باتوں کی تاکید اور نصیحت اپنے خطبہ میں کرتا ہے۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقع پر عیدگاہ تشریف لے جاتے اور سب سے پہلا کام یہ کرتے کہ نماز شروع فرماتے۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے حضورؐ انکو وعظ و نصیحت

فرماتے ضروری احکام کا اعلان فرماتے کبھی کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اس کی روانگی کا حکم فرماتے اور پھر اس سے فارغ ہو کر گھر واپس جاتے (بخاری و مسلم)

عید کے خطبہ میں عورتوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے اور ان تک آواز پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو امام علیحدہ طور پر بھی عورتوں کو خطاب کر سکتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عید کا خطبہ دیا اس کے بعد آپ عورتوں کی صفوں کے پاس تشریف لائے حضرت بلالؓ آپؐ کے ساتھ تھے آپؐ نے ان کو وعظ و نصیحت فرمائی۔ خاوندوں کی اطاعت اور زبان درازی سے بچنے کی تلقین فرمائی اور صدقہ دینے کی تحریک کی حضورؐ کی اس تحریک پر عورتیں اپنے ہاتھ کانوں اور گلے کے زیور اتار اتار کر بلالؓ کی چادر میں ڈالنے لگیں اس کے بعد رسول اللہ واپس تشریف لائے۔ (بخاری)

نمازِ عید میں نہ تکبیر ہوتی ہے نہ اذان اور نماز عید کا وقت سورج کے نیزہ بھر آسمان پر آجانے کا ہے۔ موسم اور حالات کے لحاظ سے عید کا وقت لوگوں کی سہولت کو مدِنظر رکھ کر مقرر کرنا چاہیئے۔ عام طور پر عید الفطر نسبتاً تاخیر سے اور عید الاضحیٰ جلدی پڑھی جائے۔ اور یہی سنّت ہے۔

نماز عید کی دونوں رکعت میں بلند آواز سے قرأت کی جاتی ہے سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ تلاوت کرتے ہیں نیز تلاوت شروع

کرنے سے پہلے تکبیریں بھی کہی جاتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں (یعنی اللہ اکبر) کہتے تھے۔ (مشکوٰۃ کتاب العیدین)

ہر دفعہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ دونوں ہاتھ کانوں یا کندھوں تک لاکر کھلے چھوڑتے ہیں ہاتھ باندھنے بھی جائز ہیں۔ بعض روایات میں چار تکبیروں کا بھی ذکر ہے جو پہلی رکعت میں تلاوت سے پہلے اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے کہی جائیں۔

یہ مسئلہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا:۔

عید کی نماز میں جو تکبیریں آئی ہیں ان میں علماء کا اختلاف ہے ... مگر میں اس روایت کو ترجیح دیتا ہوں جس میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں آئی ہیں۔ حنفیہ کا مذہب کہ پہلی رکعت میں قبل از قرأت اور دوسری رکعت میں بعد قرأت کہتے ہیں یہ تابعین سے ثابت ہے مگر ہم پہلی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر میرا عملدرآمد ہے کیونکہ فقہاء اور محدثین اور مدینہ طیبہ کا عملدرآمد ہے جس کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔

(مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۵۹)

یہ تھے عید الفطر کے ضروری احکام و مسائل۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کامل بندگی اور اطاعت کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے لئے اور ساری ملت اسلامیہ کے لئے حقیقی عید کے سامان پیدا کرے۔ کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو اور ہم اس سے راضی ہوں اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس کی یہ پیاری آواز ہمارے کانوں میں رس گھولے۔

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (الفجر)

(آمین اللّٰھمّ آمین)

(مطبع :- لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور)